ہفت روزہ

خدام الدین

لاہور
پاکستان

بانی:
شیخ التفسیر
حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ

مدیر اعلیٰ
مولانا عبید اللہ انور
امیر انجمن خدام الدین لاہور



مطبوعات انجمن خدام الدین لاہور پاکستان

فی شمارہ
۴۰ پیسے

جلد نمبر ۱۹ — شمارہ نمبر ۲
۶ ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ ۱۰ مئی ۱۹۷۳ء

شیرانوالہ دروازہ لاہور — فون نمبر: ۶۷۵۴۵

دُنیا کی حقیقت

از
حافظ عطاء الرحمٰن رحمانی
متعلم مدرسہ تجوید القرآن رحمانیہ
خانوخیل ــ ضلع ڈیرہ اسماعیلخان

دانشمند لوگوں نے دنیا کی مثال خواب کے ساتھ دی ہے کہ جس طرح ایک قیدی خواب میں اپنے آپ کو ہفت اقلیم کا بادشاہ دیکھتا ہے جب آنکھ کھلتی ہے تو وہ جیل میں پڑا ہوتا ہے اسی طرح اگر کوئی صاحب آسائش ثروت انسان خواب میں اپنے آپ کو جیل میں پڑا ہوا اور کوڑے لگتے دیکھتا ہے مگر جب آنکھ کھلتی ہے تو اسی طرح اسے راحت و آرام میسر ہے تو اس پر اس خواب کا کیا اثر پڑا؟ اسی طرح ایک دیندار کا حال سمجھ لیجیے۔ کہ وہ اس دنیا میں جتنی بھی تکلیف اٹھائے وہ خواب ہے اگر آنکھ کھلنے کے بعد اس کو ساری راحتیں میسر ہوں تو اس خواب کا کیا نقصان۔ اس کے بالمقابل غور کرو اس شخص کے حال پر جو خواب میں ہر قسم کے آرام پا رہا ہے مگر نیند کھلنے کے بعد وہ جیل خانہ میں ہے تو اس خواب کے راحت و آرام سے اسے کیا حاصل؟

اسی لیے ارشاد ربانی ہے:۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ۝ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ (پ ۴ آل عمران ۲۰)

ترجمہ:۔ تجھ کو دھوکا نہ دے چلنا پھرنا کافروں کا شہروں میں یہ فائدہ ہے تھوڑا سا پھر ان کا ٹھکانا دوزخ ہے وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔

نیز حدیث شریف میں آتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو حضورؐ ایک بوریہ پر آرام فرما رہے تھے جس کے نشانات حضورؐ کے جسم اطہر پر ظاہر ہو رہے تھے میں دیکھ کر رونے لگا حضورؐ نے فرمایا کیا بات ہوئی کیوں رونے لگے ہو؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ۔ یہ قیصر و کسریٰ تو ریشم اور مخمل کے گدوں پر سوتے ہیں اور آپ اس بوریے پر۔ حضورؐ نے فرمایا رونے کی بات نہیں ہے ان کے لیے دنیا ہے اور ہمارے لیے آخرت۔ (شمائل ترمذی)

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ

دنیا میں مسافر کی طرح رہو۔ اور حضور پاکؐ نے واقعی اس کا عملی نمونہ بھی پیش فرما دیا جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سونے اور آرام فرمانے کا بستر چمڑے کا ہوتا تھا۔ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوتی تھی۔ اور کبھی صرف ٹاٹ کا اور کبھی صرف بوریا ہوتا تھا۔ صحابہؓ جب نرم بستر بنانے کی درخواست کرتے تو حضورؐ ارشاد فرماتے تھے کہ مجھے دنیاوی راحت و آرام سے کیا کام۔ میری مثال تو اس راہ گیر جیسی ہے جو چلتے چلتے راستہ میں آرام لینے کے لیے کسی درخت کے نیچے بیٹھ گیا اور تھوڑی دیر بیٹھ کر آگے چل دیا ہو۔ (شمائل ترمذی)

اس سے معلوم ہوا کہ دنیا کی حقیقت تو کچھ بھی نہیں دنیا کی زندگی ہمیں زاد آخرت تیار کرنے کے لیے ملی ہے۔ یہ تو فانی اور ختم ہونے والی زندگی ہے اصل زندگی تو وہ ہے جس کو ہم بھولے ہوئے ہیں اور اس فانی زندگی کے لیے ہم رات دن کوشش میں مصروف ہیں جس زندگی کے لیے ہم رات دن کوشاں ہیں اور ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں اس پر تو کچھ بھروسہ بھی نہیں۔ کہ ایک صحابیؓ نے اپنے ساتھی سے پوچھا کہ آپ کو زندگی کا کتنا بھروسہ ہے تو فرمایا کہ بھائی مجھے تو اتنا بھی بھروسہ نہیں کہ ایک سانس کے بعد دوسرا سانس بھی آئے یا۔ اللہ اکبر۔ لہٰذا ہمیں بھی ابدی زندگی کے لیے کچھ سامان کرنا چاہیئے اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے قوانین کے تابع اپنی زندگی کو بنانا چاہیئے کیونکہ نجات اخروی کا یہی واحد ذریعہ ہے۔

ارشاداتِ نبویؐ

- جو شخص خود پیٹ بھر کر کھائے اور اس کے پہلو میں اس کا ہمسایہ بھوکا رہ جائے وہ ایمان نہیں رکھتا۔
- دھوکہ باز اور بخیل اور احسان جتانے والا آدمی جنت میں نہیں جا سکتا۔
- جس نے چالیس دن غلہ اس نیت سے روک رکھا کہ قیمتیں چڑھ جائیں تو خدا کا اس سے اور اس کا خدا سے کوئی تعلق نہیں۔
- جھوٹی گواہی اتنا بڑا گناہ ہے کہ شرک کے قریب جا پہنچتا ہے۔
- جنت میں وہ گوشت نہیں جا سکتا جو حرام کے لقموں سے بنا ہو۔ حرام خوری سے پلے ہوئے جسم کے لیے تو آگ ہی زیادہ موزوں ہے۔
- جس شخص نے عیب دار چیز بیچی اور خریدار کو عیب سے آگاہ نہ کیا۔ اس پر خدا کا غضب بھڑکتا رہتا ہے اور فرشتے اس پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔
- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سات باتوں پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے اور سات باتوں سے منع کیا ہے۔ حکم ان باتوں کا دیا ہے کہ مریض کی عیادت کریں جنازے میں شرکت کریں چھینکنے والے پر الحمد للہ [illegible]

فاروقؓ و علیؓ

از
حافظ [illegible] انور

حضرت فاروقِ اعظمؓ اہلِ ایماں کے امام
تھے حضورؐ جو سرورِ کونین کے ذی احتشام

ان کو دامادِ علیؓ ہونے کا حاصل ہے شرف
اللہ اللہ آپ تھے کیا ذی حشم عالی مقام

فاتحِ خیبرؓ کو ہوتی دشمنی ان سے اگر
بیعتِ فاروقؓ ہرگز وہ نہ کرتے لاکلام

کہتے ہیں غاصب انہیں جو نابکار و بے ادب
ان پہ خالق کی ہر اک نعمت ہوئی سمجھو حرام

بول بالا ہر طرف جس نے کیا اسلام کا
قیصر و کسریٰ بھی ان کے بن گئے ادنیٰ غلام

متحد و متفق تا زندگی دونوں رہے
اپنے اپنے وصف میں انکی فضیلت ہے تمام

اپنے اپنے عہد میں فاروقؓ نے کرارؓ نے
حامیانِ کذب و باطل کو دیا حق کا پیام

ذرّہ بھر دونوں میں واللہ کوئی بھی کینہ نہ تھا
بلکہ یہ شیر و شکر رہتے تھے انورؔ صبح و شام



خدام الدین

۶ ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ
۸ جون ، ۱۹۷۳ء

جلد ۱۹ شمارہ ۲۵

مندرجات

زیر ادارت
جانشین شیخ التفسیر
مولانا عبید اللہ انور
مدیر
مجاہد الحسینی

ہوشربا گرانی، شرمناک اخلاقی انحطاط اور افسوسناک سیاسی خلفشار

پاکستانی عوام خدا تعالیٰ کے عذاب میں مبتلا ہیں

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "جو شخص بھی میری یاد بھلا دیتا ہے اس کی معیشت تنگ ہو جاتی ہے اور قیامت کے روز اسے اندھا کر کے اٹھایا جائے گا ——"!

اس فرمانِ خداوندی کی روشنی میں پاکستان کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ واقعی یہ ملک خدا تعالیٰ کے عذاب کی گرفت میں ہے، یہاں کے عوام پر خدا کی رحمتوں اور برکتوں کے دروازے بند دکھائی دیتے ہیں۔ ہر طرف پریشانی ہی پریشانی اور مصیبتیں ہی مصیبتیں ہیں۔ کسی جانب سے بھی دل کی ڈھارس بندھانے والی اور حوصلہ افزا ٹھنڈی ہوا نہیں آ رہی ہے۔ معاشی اور اقتصادی اعتبار سے دیکھا جائے تو ہوشربا گرانی روز افزوں ہے۔ ضروریاتِ زندگی ناپید ہو رہی ہیں جو ملتی ہیں عوام کی دسترس سے باہر ہیں۔ اخلاقی اعتبار سے یہ ملک دیوالیہ ہو گیا ہے دین اور مذہب رسمی نام کے طور پہ زندہ ہے۔ سیاسی طور سے یہ ملک فکری و نظری حدود سے نکل کر ہاتھا پائی اور ہتھیاروں کے دائرے میں داخل ہو گیا ہے۔ پاگل خانے کے ذہنی مریض بھی سکون اور اطمینان کی نیند سو جاتے ہیں مگر پاکستان کے عوام سیاست دانوں کی خود غرضی اور کشمکش باہمی کے طفیل ہر قسم کے سکون و اطمینان سے یکسر محروم ہو گئے ہیں — اخلاق، شرافت، حیا، رواداری، احترام، اخوت و محبت لغتِ پارینہ کے چند متروک نام ہیں جن کا عصر جدید کی لغت سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ شریف انسانوں کی بستیاں اجڑ گئی ہیں، شرم و حیا، عزتِ نفس کے تحفظ کی خاطر روپوش ہے۔ حیوانگی اور درندگی نے چاروں طرف ڈیرے جما لیے ہیں۔ ہر طرف مایوسیوں، پریشانیوں اور گھٹن کی فضا طاری ہے۔

ہوشربا گرانی کی وجہ سے فاقہ کشی تک نوبت پہنچ گئی ہے۔ دودھ، گھی، چینی کا وجود عنقا ہو رہا ہے۔ آخر یہ کیوں ہے؟ کیا مادی اسباب و ذرائع کا ہمارے ہاں فقدان ہے؟ نہیں — دنیاوی اسباب کی خوب فراوانی دکھائی دیتی ہے لیکن اندرونی نظام کھوکھلا ہو گیا ہے زمین اپنی وسعتوں کے باوجود اس لیے تنگ ہو گئی ہے کہ اس پر بسنے والے اشرف المخلوقات انسانوں نے اپنے خالق و مالک اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا ہے۔ اس کی یاد اور اس کا ذکر فراموش کیا جا رہا ہے۔ نتیجتہً یہ خطۂ ارض —— خدا کے عذاب کی گرفت میں آگیا ہے۔ اب یہاں کے باشندے ہزار ہاتھ پاؤں ماریں دنیاوی اسباب و ذرائع کا ہزار مرتبہ سہارا لیں نتیجتہً گرفت مضبوط تر ہوتی چلی جائے گی۔ اس سے نجات پانے کی واحد صورت یہ ہے کہ عوام الناس انفرادی طور سے اور ارباب اقتدار اجتماعی طور سے خداوندِ قدوس کے حضور اپنے گناہوں، اپنی کوتاہیوں اور اپنی غفلتوں کا اعتراف کرتے ہوئے خلوصِ نیت کے ساتھ توبہ و استغفار کریں۔ معافی مانگیں اور خداوندِ قدوس کے ذکر کو پھر سے تازہ کریں۔ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائیں تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے — اس ذاتِ اقدس کو راضی کرنے کا سب سے مؤثر طریقہ یہی ہے کہ انسانوں کی اپنی زندگیاں اس کے آخری رسول حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اور خوشنودی کے مطابق ہو جائیں۔ خداؑ اور رسولؐ کی خوشنودی اسی میں ہے کہ اس کی مخلوق کو تنگ کرنا چھوڑ دیا جائے اسے راحت و سکون سے ہم آغوش کرنے کے فیصلے اور اقدامات کیے جائیں۔ مخلوقِ خدا کو جو بھی "تنگ کرے گا خواہ وہ حکمران طبقے سے تعلق رکھتا ہو یا اس کے مخالف سیاستدانوں سے، وہ صنعت کار ہو یا تاجر، وہ زراعت پیشہ ہو، یا مزدور — کوئی بھی ہو اپنے اپنے دائرے میں اگر ہر ایک کی کوشش اور مقصود مخلوقِ خدا کو راضی کرنا ہو جائے تو خدا اور اس کا رسول بھی راضی ہو جائیں گے۔ اور یہ ملک خدا کے عذاب کی گرفت سے نجات پا سکتا ہے اور یہاں بھی خدا کی رحمتوں اور برکتوں کی فراوانی ہو سکتی ہے اور انسانی زندگی کا دامن خوشیوں اور مسرتوں سے خوب مالا مال ہو سکتا ہے"!

• قومی اسمبلی میں قادیانیوں کے خلاف قرارداد مسترد

ایک خبر کے مطابق شیخ الحدیث مولانا عبدالحق اور مولانا عبدالحکیم ممبران قومی اسمبلی نے اسمبلی کے حالیہ اجلاس میں قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کی قرارداد پیش کرنے کی کوشش کرتے ہوئے نیشنل اسمبلی کے سیکرٹری کے نام حسب ذیل قرارداد شامل کرنے کا تحریری نوٹس بھیجا تھا۔ "اس اسمبلی کی رائے ہے کہ پاکستان میں مرزائی جماعت اور اس کے تمام افراد (قادیانی اور لاہوری ہر دو جماعتوں) کو قرآن و سنت اور اجماعِ امت کے متفقہ فیصلہ کی بنا پر غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ ان کی تمام تبلیغی

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

حضرت مولانا محمدؐ قاسم نانوتوی رحؒ

کی زندگی کے بعض گوشے

حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی مثالی زندگی ہے۔ ایک دیندار مسلمان کے لیے سبق ہی سبق ہے۔ لکھا ہے کہ :-

"حضرت والا پڑھ کر جب گھر آئے املاک کا جائزہ لیا اور تمام املاک کو مشتبہ اور بعض کو مغصوبہ پایا۔ والد کو بہت سمجھایا کہ یہ کمائی ناجائز ہے اور مشتبہ ہے۔ قیامت کے مواخذہ کا تقاضا ہے کہ حقیقی حق داروں تک ان کے حصے پہنچا دیے جائیں۔"

(سوانح قاسمی جلد اول صفحہ ۴۹۶)

کیا اب بھی مسلمانوں میں یہ جذبہ باقی ہے۔ جائداد کا جائزہ لینا، پھر جس کے حقوق پہنچتے ہوں ان کو دینا۔ اس زمانے میں اس کا کس کو اہتمام ہے۔ اتنی کھود کرید کون کرتا ہے۔ ہاں اگر اپنا حصہ کہیں نکلتا ہوگا۔ تب تو ضرور دوڑ دھوپ کریں گے مگر جہاں دینے کا سوال ہو۔ غالباً دل میں خیال پیدا ہونے کے باوجود عملی طور پر کچھ کرنے سے کترائیں گے اور الٹی سیدھی کچھ تاویلیں کر لیں گے۔ حضرت نانوتویؒ نے صرف سمجھایا ہی نہیں یعنی ایک دو دفعہ کہہ کر چھوڑ ہی نہیں دیا بلکہ لکھا ہے :-

"ان زمینوں کے غلے میں احتیاط شروع فرمائی۔ مفصل فرائض نکلوائے اور اوپر کی دُور دُور پشتوں کے حقوق اور حصے دلوائے۔" (سوانح قاسمی جلد اول صـ ۴۹۶)

آج نفل کی کثرت آسان ہے۔ صوم داؤدی سہل ہے اور اوراد و وظائف بھی کچھ مشکل نہیں مگر جہاں تک معاملات کا اس زندگی سے تعلق ہے۔ ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ یہی وجہ ہے سب کچھ ہونے کے باوجود سوز و گداز، خدا ترسی اور فرض شناسی کا عام طور پر فقدان ہے۔ جس غذا سے خون تیار ہوتا ہے، جسم کی پرورش ہوتی ہے، گوشت اور پوست بنتا ہے۔ دراصل سب سے پہلے اس کے پاک کرنے کی فکر کرنی چاہیے۔ تاکہ جسم میں صالح خون پیدا ہو۔ حلال غذا سے جو جسم پرورش پائے گا قدرتاً اس میں ناجائز امور کی رغبت پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ اخلاقِ حسنہ اور عاداتِ فاضلہ اور کمالاتِ فائقہ پیدا ہوں گے، عبادتِ الٰہیہ کا جذبہ ابھرے گا۔

اور انسان مومن کامل بن سکے گا۔ کاش اربابِ فضل و کمال اس رمز کو سمجھتے اور اس طرف عملی قدم اٹھاتے۔

حضرت نانوتوی کی جب شادی ہوئی تو آپ کی اہلیہ محترمہ یعنی رفیقۂ حیات کا بیان ہے :-

"مجھے شادی سے اگلے ہی دن حضرت نے فرما دیا تھا کہ میں نے نکاح صرف اپنی والدہ کی راحت کے لیے کیا ہے۔"

(سوانح قاسمی ج اول صـ ۵۰۲)

اور قول ہی کی حد تک نہیں رہا۔ بلکہ جب تک والدہ زندہ رہیں دونوں میاں بیوی نے والدین کی ایسی خدمت کی جس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ آہ اب یہ جذبہ کہاں۔ اب تو دیندار مسلمان کا بھی یہ حال ہے کہ خود میاں بیوی آرام کریں گے اور بوڑھے ماں باپ کو بھول جائیں گے۔ الا ماشاء اللہ۔

اب تو ہمارے نوجوان طلبہ علومِ دین بھی ماں کی خدمت میں وہ سرگرمی نہیں دکھاتے جو اُن کو دکھانی چاہیے۔ ممکن ہے خادم رکھ دیں۔ مگر خود وہ یا ان کی بیوی یہ خدمت انجام دے یہ ناممکن ہے۔ حضرت نانوتویؒ نے اپنی رفیقہ کو ایسی تعلیم دی تھی کہ وہ سراپا اطاعت بن گئی تھی۔ ایک رئیس گھرانے کی لڑکی تھی۔ چند ہی سال حضرت کے ساتھ رہنے کا یہ اثر ہوا کہ اپنے شوہر کی جان نثار خادمہ بن گئیں۔ حضرت نانوتویؒ کا ایک زمانہ میں یہ دستور تھا کہ سوتے وقت گائے کا دودھ استعمال کرتے۔ عشاء کے بعد جونہی حضرت تشریف لاتے۔ آپ کی اہلیہ دودھ کا پیالہ لے کر پہنچ جاتی تھیں۔ خفگی کا اظہار مقصود ہوتا تو اس کی صورت یہ ہوتی کہ گھر میں آتے ہی نفل شروع کر دیتے۔ دودھ کا انتظار نہ کرتے۔ رفیقۂ حیات آتیں اور پیالہ لے کر کھڑی ہو جاتیں اس سلسلہ میں آپ کی اہلیہ محترمہ کا بیان ہے کہ

"کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ حضرت نے نوافل میں پوری شب گزار دی اور میں بھی پوری شب پیالہ لیے کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔"

(سوانح قاسمی جلد اول صـ ۵۱۳)

اللہ اکبر۔ یہ فرمانبرداری اور تعلیم نبوی پر ایسا عمل۔ اب کون بیوی ہے جو شوہر کی اتنی خدمت کر سکے۔ اب تو شوہر کے خفا ہونے سے پہلے بیویاں خفا ہو جاتی ہیں۔ اور ماشاء اللہ شوہر صاحب بھی ایسے ہوتے ہیں کہ وہ بیوی کی کیا تربیت کریں گے خود شاگرد رشید بن جاتے ہیں اور بیوی کو منانے کی بجائے خود کو بگاڑ لینا فخر سمجھتے ہیں۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت ہی کا نتیجہ تھا۔ کہ آپ کی اہلیہ میں عبادت کا ذوق اس درجہ کا پیدا ہو گیا تھا کہ آج اس کا تصور بھی مشکل ہے۔ آپ کی اہلیہ کے متعلق لکھا ہے

"اذان کی حیّ علی الصلوٰۃ پر کام چھوڑ کر اسی طرح اٹھ جاتی تھیں کہ گویا اس کام سے کبھی واسطہ ہی نہ تھا۔ بالکل ہر چیز سے بیگانہ بن جاتیں۔" (سوانح قاسمی ج اصـ ۵۱۵)

اب ایسے شوہر کہاں ہیں اور ایسی رفیقۂ حیات کہاں نظر آتی ہیں کہ جن میں اللہ تعالےٰ کی عبادت کا یہ ذوق باقی ہو۔ شوہر چاہے جتنے بھی اچھے ہوں۔ مگر عموماً بیویاں عبادت کے ذوق سے عاری ہوتی ہیں۔ آج کل شوہر اپنا فریضہ بھی نہیں سمجھتے کہ ان کے دلوں میں ذوقِ عبادت پیدا کریں۔ کاش موجودہ دور کے مسلمان اس واقعہ کو پڑھ کر سبق حاصل کرتے۔ تاکہ ان کی اولاد میں دین کی طرف سے آزادی دیکھنے میں نہ آتی۔ حضرت نانوتویؒ کی تعلیم کا ہی یہ اثر تھا کہ آپ کی رفیقۂ حیات فرائض، واجبات اور نوافل کے دوامی التزام کے ساتھ ساتھ یہ بھی کرتی تھیں کہ :-

"بعد نماز صبح سر پر اور منہ پر اپنا دوپٹہ ڈال کر ہلکی ضرب سے ذکر کیا کرتی تھیں۔ آندھی ہو، مینہ ہو، سردی ہو یا گرمی ہو۔ اس میں بال برابر فرق نہیں آتا تھا۔"

(سوانح قاسمی جلد اول صـ ۵۱۹)

آہ! اب ہماری عورتوں میں یہ ذوق کہاں رہا۔ فرائض ہی ادا کر لیں تو غنیمت ہے۔ شوہر کو بھی ان کی کوئی فکر نہیں۔ بیوی دیندار ہو نہ ہو کوئی پروا نہیں۔ نماز پڑھے نہ پڑھے کوئی غم نہیں۔ اور ذوقِ عبادت اس میں ہو نہ ہو۔ وہ جانے۔

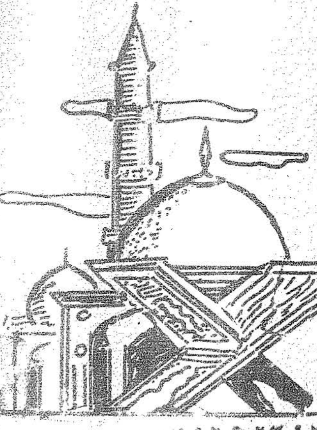
حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ محترمہ کو حدیث نبوی سننے کا بڑا شوق تھا۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب مدظلہٗ آپ کے بڑے پوتے ہیں انہوں نے جب حدیث شروع کی تو ان سے حدیث پڑھوا کر سنتی۔ اور اس کا یہ اثر ہوتا کہ حضرت مولانا مدظلہٗ کا بیان ہے کہ :-

"میں سبق پڑھ کر گھر آتا اور سبق کی تقریر دادی صاحبہ کو سناتا۔ جب تک میں تقریر کرتا رہتا۔ ان کی آنکھوں میں آنسو مسلسل جاری رہتے۔"

(سوانح قاسمی جلد اول صـ ۵۱۹)

اب یہ سوز و گداز کہاں باقی رہا۔ اب سب کے

(باقی صفحہ ۱۹ پر)



اجتماع جمعۃ المبارک

۲۵ مئی ۱۹۷۳ء

مرتب عبد الرشید انصاری

اسلام تمام مخلوقات کی فلاح وبہبود کا علمبردار ہے

علمائے ربانی نے ہر دور میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا ___ اور نیکی کا راستہ بتایا۔

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم کا خطاب

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

امّا بعد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (آل عمران)

اور چاہیئے کہ تم میں سے ایک ایسی جماعت ہو جو نیک کاموں کی طرف بلاتی رہے اور برے کاموں سے روکتی رہے اور وہی لوگ نجات پانے والے ہیں

اسلام تمام مخلوقات اور تمام اقوام وملل یعنی پوری نسل انسانی کی بھلائی اور فلاح وبہبود کا علمبردار ہے اس کی تعلیمات یہ ہیں۔ کہ تمام انسان ایک حضرت آدم علیہ السلام وعلیٰ نبینا کی اولاد ہیں ان میں سے کسی کو حق نہیں کہ دوسروں کو اپنا غلام بنائے اور خود کو مافوق البشریت چیز سمجھنے لگ جائے بلکہ ہر کسی کو چاہیئے کہ جیسے وہ اپنے لیے کسی دکھ، تکلیف پریشانی، نقصان اور مصیبت کو پسند نہیں کرتا ایسے ہی اسے دوسروں کو دکھ اور مصیبت میں مبتلا دیکھنا گوارا نہ ہو یعنی اپنے فائدہ ونفع اور سکون وخوشحالی کی خاطر دوسروں کے لیے تکلیف، دکھ اور پریشانی پیدا نہ کرے اور نہ ہی ایسا ہو کہ خود تو مصائب وآلام سے چھٹکارا حاصل کرے اور کسی دوسرے کی آہ وبکا سن کر، یا کسی کو مشکل ومصیبت میں دیکھ کر اس کے دل میں تعاون وہمدردی پیدا نہ ہو چاہیئے یہ کہ کوئی شخص بھی اس وقت تک چین سے نہ بیٹھے جب تک لوگوں کی مشکلات اور مصیبتیں ختم نہ ہو جائیں اور پورا انسانی معاشرہ امن وآشتی، صلح ومحبت اور چین واطمینان کا گہوارہ نہ بن جائے۔

ایسے ہی اسلام نے اپنے پیروؤں کو حکم دیا ہے کہ تمہاری جد وجہد اس وقت تک جاری رہنی چاہیئے جب تک معصیت ونافرمانی، کفر اور نفس وشیطان کی پیروی کا دنیا سے نام ونشان نہیں مٹ جاتا۔ اور تمام لوگ ناکامی، عذاب جہنم اور غضب الٰہی کا راستہ چھوڑ کر کامیابی، رضا الٰہی اور نجات اخروی کی راہ پر نہ آجائیں۔

چنانچہ خدائے رحیم وقدیر نے ملت اسلامیہ کو حکم دیا کہ تم میں ہر وقت ایک ایسی جماعت ضرور موجود رہنی چاہیئے جو لوگوں کو نیکی اور بھلائی کا حکم دے، گناہ اور برائی سے روکے وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ الخ آیت کے حاشیہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔

جب اپنے اندرونی اختلافات سے بھی بچ جائیں اور بیرونی حملوں سے بھی محفوظ ہو جائیں تو دوسروں کو اس مقصد خیر میں شریک بنائیں۔

اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل واحسان ہے کہ امت نے اس حکم کی تعمیل کی اور ہر دور میں اہل حق کی ایک جماعت تبلیغ دین اسلامی شعائر کے تحفظ اور اعلاء کلمۃ الحق کے لیے مصروف عمل رہی ہے یہ مقدس جماعت حق پرست علماء ربانی کی ہے جس نے بادشاہوں کے دبدبہ وجلال وطمطراق کے کبر ونخوت اور فرنگی سامراج کے ظلم واستبداد کی پرواہ کیے بغیر حق وصداقت کا پرچم بلند رکھا اور ثابت کر دیا کہ يَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ کا فریضہ انجام دینے والے ہم ہیں جن کی زندگی اور موت سب کچھ اللہ کے لیے ہے

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رح فرماتے ہیں۔

تقوی، اعتصام بحبل اللہ، اتحاد واتفاق، قومی زندگی، اسلامی مواخات یہ سب چیزیں اس وقت باقی رہ سکتی ہیں جب کہ مسلمانوں میں ایک جماعت خاص دعوت وارشاد کے لیے قائم رہے اس کا وظیفہ یہی ہو کہ اپنے قول وعمل سے دنیا کو قرآن وسنت کی طرف بلاتے اور جب لوگوں کو اچھے کاموں میں سست یا برائیوں میں مبتلا دیکھے اس وقت بھلائی کی طرف متوجہ کرنے اور برائی سے روکنے میں اپنے مقدور کے موافق کوتاہی نہ کرے، ظاہر ہے کہ یہ کام وہی حضرات کر سکتے ہیں جو معروف ومنکر کا علم رکھتے اور قرآن وسنت سے باخبر ہونے کے ساتھ ذی ہوش اور موقع شناس ہوں ورنہ ممکن ہے کہ ایک جاہل آدمی معروف کو منکر یا منکر کو معروف خیال کر کے بجائے اصلاح کے سارا نظام ہی مختل کر دے۔ یا ایک منکر کی اصلاح کا ایسا طریقہ اختیار کرے جو اس سے بھی زیادہ منکرات کے حدوث کا موجب ہو جائے یا نرمی کی جگہ سختی اور سختی کے موقع میں نرمی برتنے لگے، شاید اسی لیے مسلمانوں میں سے ایک مخصوص جماعت کو اس منصب پر مامور کیا گیا جو ہر طرح دعوت الی الخیر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہل ہو۔ حدیث میں ہے کہ جو لوگ منکرات میں پھنس جائیں اور کوئی روکنے والا نہ ہو تو عام عذاب آنے کا اندیشہ ہے۔

حضرت مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس بیان میں یہ حقیقت واضح کر دی گئی ہے کہ نیکی اور بھلائی کا فریضہ پوری امت کی جانب سے ادا کرنے والی جماعت عالمان دین قیم کی ہے جو قرآن وسنت کا علم رکھتے ہیں نیکی اور گناہ معروف اور منکر کے فرق کو پہچانتے ہیں اور اسلام کے بیان کردہ طریق تبلیغ سے واقفیت رکھتے ہیں یہ جماعت حقہ اپنے بلند مقاصد کے حصول کے لیے شریعت اسلامیہ سے برابر رہنمائی حاصل کرتی ہے۔

قرآن حکیم میں حکم دیا گیا کہ:۔

جو لوگ اپنی ضروریات ومشکلات میں خدا کی بجائے دوسروں کو پکارتے ہیں تم ان کے معبودوں کو گالی نہ دو۔ کیونکہ پھر وہ تجاوز کرتے ہوئے بغیر سوچے سمجھے اللہ تعالیٰ کو برا بھلا کہنے لگیں گے۔ (سورہ انعام آیت ۱۰۸)

اس حکم سے داعیان حق کو سبق حاصل ہوتا ہے کہ مخاطب سے ایسے انداز میں گفتگو نہ کی جائے جس سے وہ مشتعل ہو کر ایسی بات کہے کہ اس سے خدا اور رسول یا دینی شعائر کی توہین ہو اور نتیجۃً نیکی وبھلائی کی طرف متوجہ کرنے کا سلسلہ ہی منقطع ہو جائے۔

سورۃ الصف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اے ایمان والو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جو تم نہیں کرتے۔ اللہ کے نزدیک یہ بہت ناپسند بات ہے کہ جو کہو اسے کرو نہیں (آیت ۲-۳)

اور سورۃ البقرہ میں علماء بنی اسرائیل سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (آیت ۴۴)

"کیا لوگوں کو تم نیکی کا حکم کرتے ہو۔ اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔ حالانکہ تم کتاب الٰہی پڑھتے ہو۔ پھر کیوں نہیں سمجھتے"

یعنی حقیقت سے باخبر ہونے کے باوجود تم لوگوں کو تو نیکی کی رغبت دلاتے ہو اور خود نیکی پر عمل کرنے سے جی چراتے ہو۔ یہ قول وعمل کا تضاد قطعی غلط ہے اور

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

عربی زبان اور عربوں کی علمی خدمات

ایک سرسری تاریخی جائزہ

محمد اسلم

رسولِ خدا کی تعلیمات کا ٹھیک ٹھیک تجزیہ اسی صورت میں کیا جا سکتا ہے جب کہ ظہورِ قدسی سے پہلے عربوں کی علمی اور تعلیمی حالت کا نقشہ ہمارے سامنے ہو گا۔

عربی زبان

عربی زبان غالباً دنیا کی سب سے قدیم زبان ہے جو آج بھی زندہ اور ترقی یافتہ زبانوں کی صف میں شامل ہے اس کے وجود کا پتہ اس زمانے میں بھی ملتا ہے جب ابراہیمؑ نے مکہ معظمہ کو اپنے تبلیغی مرکز کے طور پر منتخب کیا۔ اسماعیلؑ نے اپنے سسرال بنو جرہم سے عربی زبان سیکھی (طبقات ابن ہشام)۔ ظاہر ہے کہ وہ عربی زبان قرآن کی عربی سے مختلف ہو گی اور بتدریج ترقی کی منزلیں طے کر کے اس درجے کو پہنچی ہو گی مگر عین ظہورِ اسلام سے پہلے عربی کا حیرت انگیز ارتقاء مؤرخین اور ماہر لسانیات کے لیے ایک معمہ ہے خصوصاً وہ قوم جو تمدنی طور پر انتہائی پست تھی یہ بات اور بھی حیرت کا موجب ہو گی کہ مستند عربی آج بھی جاہلیت کی عربی مانی جاتی ہے حالانکہ کسی اور زبان کے دو مصنفوں کے درمیان اگر ہزار ڈیڑھ ہزار سال کا فاصلہ حائل ہو جاتے تو وہ دو مؤلف ایک دوسرے کی زبان کو سمجھ ہی نہ سکیں گے۔ یہ بات یقیناً اس کے بغیر ممکن نہیں کہ اس زبان کے بولنے والوں میں ادبیات کے بڑے چرچے رہے ہوں گے۔ (حمید اللہ)

عربی کے ارتقاء کے دیگر اسباب

تاہم اس کے علاوہ اور بھی کئی عوامل اس کے ارتقاء کا سبب ہیں۔ ماضی قریب میں اندرون عرب اور عرب کے گرد و نواح میں متمدن اور مہذب اقوام نے عروج حاصل کیا۔ اسماعیلؑ کا باپ اور ماں دونوں قدیم ترین تہذیبی گہواروں سے تعلق رکھتے تھے (بابل اور مصر) اور اسماعیلؑ نے عربوں میں شادی کی۔ اسماعیلؑ کی اولاد میں اقوام کا بہت حسین امتزاج تھا اسی طرح حمیریوں نے یمن میں عروج حاصل کیا وہاں عربوں نے عربی رسم الخط مستعار لیا (احسان عثمانی: تمدن عرب) عربی کی ترقی میں تجارتی میلوں نے سب سے نمایاں حصہ لیا۔ ایک طرف مقامی بولیوں کے یکجا ہونے سے ترقی یافتہ زبان پیدا ہوئی تو دوسری طرف ان میلوں میں شعر و شاعری کے چرچے رہے اور زبان منجھ کر نکھر گئی (حمید اللہ، لی بان) علاوہ ازیں عرب اور بالخصوص رسالت مآب کی جائے پیدائش شہر مکہ چونکہ بین الاقوامی تجارتی شاہراہ پہ واقع تھا بین الاقوامی لسانی ارتباط ہوا۔ عربوں کے وسیع تجارتی روابط اور مکہ کے عربوں کے لیے مرکز ثقل ہونے نے بھی اس لسانی ارتباط میں یقیناً اہم حصہ لیا ہو گا۔ مثلاً لفظ طوفان (جو قرآن میں بھی وارد ہوا ہے) چینی زبان سے عربی میں منتقل ہوا ہے (ڈاکٹر عنایت اللہ: لغت القرآن؛ اسلامی تعلیم) اس ایک مثال سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انتہائی دور افتادہ ملک چین کے اثرات اگر عربی پر مرتب ہو سکتے ہیں تو حبشہ، مصر، ایران، روم وغیرہ ممالک جن کے ساتھ عربوں کے گہرے تجارتی تعلقات رحلۃ الشتاء اور رحلۃ الصیف کے ذریعے قائم تھے۔ وہاں کی زبان و ادب کے اثرات عربی پر مرتب نہ ہوئے ہوں گے۔؟ عیسائی مشنری سرگرمیاں (بخاری، ہیکل، حیات محمد) اور یہودیوں سے عربوں کے روابط نے بھی اہم رول ادا کیا ہو گا۔ یہ بات خالی از دلچسپی نہ ہو گی کہ عرب کی مذہبی، تمدنی، اقتصادی اور ایک لحاظ سے سیاسی زندگی کا محور مکہ تھا اسی واسطے وہاں کی زبان بھی زیادہ فصیح اور معیاری بن گئی۔ قرآن ضبط تحریر میں لایا گیا تو قریش کی زبان میں تحریر کیا گیا۔ (طبقات ابن سعد، بخاری، موطا)

ادبی تحریکات

ہر قوم کی کچھ نمایاں خصوصیات ہوتی ہیں۔ عرب فنونِ لطیفہ اور ادبیات کا فطری ذوق رکھتے ہیں۔ اس ادبی ذوق نے عربی زبان کے ارتقاء میں بھی مدد دی۔ عتبہ بن ربیعہ بن عبدالشمس نے ادبی ذوق کی تسکین کے لیے دار الندوہ (ریڈنگ روم)، قائم کر رکھا تھا۔ غیلان بن سلمہ ثقفی، جو عرب کا مشہور شاعر، حکیم اور جج تھا نے ہفتہ میں ایک دن ادبی مجالس کے لیے مخصوص کر رکھا تھا عکاظ کا میلہ ایک لحاظ سے بین العرب لٹریری کانگریس تھا (حمید اللہ) وہاں کا منتخبہ کلام جسے معلقات کہتے تھے ریشمی کپڑے پر سونے کی تاروں سے لکھ کر خانہ کعبہ پر لٹکایا جاتا۔ (احسان عثمانی۔ تمدن عرب)

رسم الخط

ظہورِ اسلام سے پہلے عربی کا فنِ تحریر معرضِ وجود میں آ چکا تھا اور اس کی ابتداء مکہ میں ہوئی (حمید اللہ ابن ندیم) کیونکہ مکہ سب سے زیادہ متمدن تھا اور وہاں تعلیم کا خاصا چرچا بھی تھا (سلیمان ندوی) عربوں نے یہ خط حمیری زبان سے مستعار لیا تھا اس پر نقطے اور اعراب نہ ہوتے تھے (احسان اللہ، راغب طباخ) قوم حمیر کے دریافت شدہ کتبات کی تحریرات میں بہت مماثلت پائی جاتی ہے حمیری کتابت کا نام "مسند" تھا۔ اس کے حروف ملے ہوئے نہ ہوتے تھے (راغب الطباخ)

مدارس

کہا جاتا ہے کہ عرب بالکل ان پڑھ اور جاہل تھے حالانکہ زمانۂ جاہلیت میں وہاں تعلیم و تعلم اور لکھائی پڑھائی کا خاصا چرچا تھا (سلیمان ندوی)، اور مکہ میں خصوصاً تعلیم کا چرچا زیادہ تھا (بخاری، مسلم) عربوں کے ہاں نہ صرف یہ کہ درس گاہیں تھیں بلکہ مخلوط درس گاہوں کے وجود کا پتہ چلتا ہے۔ مکہ کے قریب رہنے والے قبیلہ ہذیل کی ضرب المثل فاحشہ عورت ظلمہ جب بچی تھی تو ایک مدرسے میں جاتی تھی۔ وہاں اس کا محبوب مشغلہ یہ تھا کہ دوات میں قلم ڈال اور نکال کر کھیلا کرتی تھی (حمید اللہ)

پرائمری مدارس اور بڑی درسگاہیں

عربوں کی درس گاہوں میں درجہ بندی بھی تھی۔ عربی زبان میں ربانی (یہ لفظ قرآن میں بھی وارد ہوا ہے) اس عالم کو کہتے ہیں جو بڑی باتیں سکھانے سے پہلے چھوٹی باتوں کی تعلیم دے اور حبر بڑے عالم کو کہتے ہیں یہ لفظ عموماً یہودی علماء کے لیے بولا جاتا تھا۔ (امام بخاری) لہذا یہ اندازہ لگانا چنداں دشوار نہیں کہ ابتدائی تعلیم کے لیے علیحدہ مدرسے قائم تھے اور اعلیٰ تعلیم کے لیے بڑی درس گاہیں ہوں گی۔ یثرب میں یہودیوں کی ایک ایسی دانشگاہ جس کا نام بیت المدارس تھا رسولِ خدا کی ہجرت کے وقت بھی موجود تھی ایسی دانشگاہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو عبرانی اور دیگر علوم سیکھنے کا حکم دیا تھا (مسلم، بخاری)

(باقی آئندہ)

جنگی قیدیوں کا وکیل

منصور فاطمی

کفر و الحاد کے پرچار ہوئے جس کے سبب
پیدا کشمیر میں غدار ہوئے جس کے سبب
ہم بلاؤں میں گرفتار ہوئے جس کے سبب
میر سادہ ہیں کہ بیمار ہوئے جس کے سبب

"اسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں"

ظفر اللہ خان قادیانی کو عالمی عدالت میں جنگی قیدیوں کا وکیل مقرر کر دیا گیا ——— (ایک خبر)

اسلام کا تبلیغی نظام

از
مورخ اسلام
علامہ
سید سلیمان ندوی
رحمۃ اللہ علیہ

اسلام ایک پیغام الٰہی اور اس پیغام کی حامل امت مسلمہ ہے یہ وہ حقیقت ہے جس کی طرف سے نہ صرف عام مسلمان بلکہ مسلمان علماء اور مشائخ تک نے اس سے اعراض اور تغافل برتا اور اس حقیقت کو بالکل بھلا دیا ہے اسی کا نتیجہ ہے۔ کہ مسلمان اپنے کو انہیں معنوں میں قوم سمجھنے لگے۔ جن معنوں میں دنیا کی قومیں اپنے کو قوم سمجھتی ہیں، ان میں سے کوئی تو وطنیت کے سہارے اپنی قومیت کی دیوار کھڑی کرتا ہے۔ کسی نے نسل کو قومیت کا معیار سمجھا اور ان میں سے جو سمجھ رکھتے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان قوم وطنیت اور نسل سے نہیں بلکہ مذہب کی بنیاد پر قوم ہے حالانکہ حقیقت اس سے بھی آگے ہے اور وہ یہ کہ مسلمان وہ جماعت ہے جو اللہ کی طرف سے ایک خاص پیغام لے کر دنیا میں آئی ہے اس پیغام کو قائم رکھنا اور اس کو پھیلانا اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دینا اس کی زندگی کا تنہا فریضہ ہے اس پیغام کے ماننے والوں کی ایک برادری ہے جس کے حقوق ہیں اور یہی ان کی قومیت ہے۔

اس حقیقت کے ظاہر ہونے کے بعد مسلمان قوم کا سب سے بڑا فریضہ اس پیغام الٰہی کی معرفت اس کی بجا آوری، اس کی تعلیم، اس کی دعوت اور اس کی اشاعت اور اس کے حلقہ بگوشوں کی ایک پوری برادری کا قیام اور اس کے حقوق کا بجالانا ہے۔

لیکن افسوس ہے کہ مسلمانوں نے ایک ہی صدی کے اندر اندر اپنے اس فرض کو بھلا دیا، ہمارے سلاطین اور بادشاہوں نے ملک گیری اور کشور کشائی پر قناعت کی اور عیش و آرام اور جاگیر و خراج کی دولت کو اپنی زندگی کا ماحصل قرار دیا، علماء نے درس و تدریس اور فتنوں سے عزلت نشینی کی زندگی پر کفایت کی، درویشوں اور صوفیوں نے تسبیح و سجادہ کی آرائش پر بس کی اور زندگی کے کاروبار سے اپنے کو الگ کر لیا، نتیجہ یہ ہے کہ امت رہبری اور رہنمائی کے بغیر اپنے حال سے غافل ہو کر رہ گئی اور امت مسلمہ کی زندگی کی غرض و غایت اس کے سارے طبقوں کی نگاہوں سے مخفی ہو گئی۔

امت مسلمہ کا فریضہ

قرآن پاک اور احادیث صحیحہ کے نصوص سے یہ ثابت ہے کہ امت مسلمہ اپنے نبی کی تبعیت میں اقوام عالم کی طرف مبعوث ہے اس امت کو باہر ہی اس لیے لایا گیا ہے کہ وہ دعوت و تبلیغ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرض کو انجام دے۔ جیسا کہ یہ آیت پاک کھلے لفظوں میں ظاہر کر رہی ہے۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر۔

تم اے مسلمانو بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی اچھے کاموں کو بتاتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو۔

اس آیت نے بتایا کہ امت مسلمہ دنیا کی دوسری امتوں کے لیے باہر لائی گئی ہے اس کی پیدائش کی غرض بھی یہی ہے کہ وہ اقوام عالم کی خدمت کرے اور ان میں خیر کی دعوت اور معروف کی اشاعت اور منکر کی ممانعت کرے ایسی حالت میں اگر یہ امت اپنے اس فرض سے غفلت برتے تو وہ اپنی زندگی کے مقصد کو پورا کرنے سے عاری ہے اس آیت سے چند آیتیں اوپر یہ تصریح ہے کہ ہر زمانہ میں امت مسلمہ پر یہ فرض کفایہ ہے کہ اس کی کچھ جماعت اسی کام میں لگی رہے اور اگر اس سے مسلمانوں کی ہر جماعت نے پہلو تہی کی تو ساری امت مسلمہ گنہگار ٹھہرے گی اور اگر کچھ جماعتوں نے اس فرض کو انجام دیا تو یہ فرض پوری امت کی طرف سے ادا ہو جائے گا۔ ارشاد ہے:

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولئک ھم المفلحون۔ (آل عمران)

اور چاہیے کہ تم میں ایک جماعت ایسی رہے جو لوگوں کو نیکی کی دعوت کرتی رہے اور اچھے کاموں کی تعلیم دیتی رہے اور بری باتوں سے روکتی رہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔

پوری امت کی صلاح و فلاح اور دوا و معالجہ کے لیے یہی جماعت ذمہ دار ٹھہرائی گئی۔ اس کے تین فرض قرار دیے گئے۔ پوری امت اور بلکہ ساری انسانیت کو خیر کی دعوت، معروف کی اشاعت اور منکر کی ممانعت، جب تک اور جس نسبت سے امت کے اندر اس جماعت کے افراد رہے۔ یہ فریضہ پورا ہوتا رہا اور حدیث خیر القرون کے مطابق جماعت صحابہؓ، جماعت تابعین، جماعت تبع تابعین کے بعد جماعت گھٹ کر افراد رہ گئے۔

دولت و سلطنت

اس راہ میں سب سے بڑی ضلالت دولت و سلطنت کو منتہائے مقصود سمجھنے سے آئی۔ اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خیال کہ انی لا اخاف علیکم الفقر ولکن اخاف ان تبسط علیکم الدنیا بالکل درست نکلا دنیا نے جب اپنی وسعتوں، عیش پرستیوں اور دولت مندیوں کے ساتھ مسلمانوں پر سایہ ڈالا تو وہ صرف کشورستانی، ملک گیری اور باج و خراج کو امت مسلمہ کی زندگی کا حاصل سمجھے اور دولت اسلام کے بجائے مسلمانوں کی سلطنت پر قانع ہو گئے یعنی ایسی سلطنت کو اپنا مقصد سمجھ بیٹھے جس کا حاکم کوئی مسلمان نام ہو، حالانکہ مقصد یہ تھا کہ اسلام کی شریعت اور اسلام کی سیاست عادلہ کی حکومت قائم کی جائے اور یہ سلطنت و حکومت اس نظام عدل کے قیام کا سبب قوی ذریعہ ہو جیسا کہ اس آیت کا منشا ہے۔

الذین ان مکنّٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور۔

وہ لوگ جن کو ہم زمین میں طاقت بخشیں تو نماز کھڑی کریں اور زکوٰۃ دیں اور اچھی بات کا حکم کریں اور بری بات سے روکیں اور اللہ ہی کے لیے کاموں کا انجام ہے۔

امت مسلمہ

امت مسلمہ فرائض نبوت میں سے دعوت خیر اور امر بالمعروف اور نہی منکر میں نبی کی جانشین ہے اسی لیے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کار نبوت کے جو تین فرض عطا ہوئے ہیں۔ تلاوت احکام تعلیم کتاب و حکمت اور تزکیہ یہ تینوں فریضوں کی ادائیگی میں پوری توجہ اور کوشش مبذول فرمائی ہے اور انہیں کے مجاہدات کا نور ہے جس سے کاشانۂ اسلام میں روشنی ہے۔ نبوت کے یہ تینوں فرض اس آیت میں یکجا ہیں۔

رسولا منھم یتلوا علیھم اٰیٰتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ۔

ایک رسول انہیں میں سے جو اللہ کی آیتوں کو پڑھ کر سناتا اور ان کو پاک و صاف کرتا اور کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

تعلیم اور تزکیہ

رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ان تینوں فرائض کو حسن و خوبی سے انجام دیا لوگوں کو احکام الٰہی اور آیات ربانی پڑھ کر سناتے اور ان کو کتاب الٰہی اور حکمت ربانی کی باتیں سکھائیں اور اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ اپنی صحبت فیض تاثیر اور طریق تدبیر سے پاک و صاف بھی کیا۔ نفوس کا تزکیہ فرمایا، قلوب کے امراض کا علاج کیا اور برائیوں اور بدیوں کے زنگ اور میل کو دور کر کے اخلاق انسانی کو نکھارا اور سنوارا یہ دونوں ظاہری و باطنی فرض یکساں اہمیت سے ادا ہوتے رہے چنانچہ صحابہؓ اور ان کے بعد تابعین اور پھر تبع تابعین کے تین قرنوں تک یہ دونوں ظاہری و باطنی کام اس طرح رہے جو استاد تھے وہ شیخ تھے اور جو شیخ تھے وہ استاد تھے۔ وہ جو مسند درس کو جلوہ دیتے تھے وہ خلوت کے شب زندہ دار اور اپنے ہم نشینوں کے تزکیہ و تصفیہ کے بھی ذمہ دار تھے ان تینوں طبقوں میں استاد اور شیخ کی تفریق نظر نہیں آتی۔

اس کے بعد وہ دور آنا شروع ہوا جس میں مسند ظاہر کے درس گو، باطن کے کورے اور باطن کے روشن دل،

ظاہر سے عاری ہونے لگے اور عہد بہ عہد ظاہر و باطن کی یہ خلیج بڑھتی ہی چلی گئی تاآنکہ علوم ظاہر کے لیے مدارس کی چار دیواری اور تعلیم تزکیہ باطن کے لیے خانقاہوں اور رباطوں کا تعمیر عمل میں آئی اور وہ مسجد نبوی جس میں یہ دونوں جلوے یکجا تھے اس کی تجلیات مدرسوں اور خانقاہوں کے دو حصوں میں تقسیم ہو گئیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مدارس سے علماء دین کی جگہ علمائے دنیا نکلنے لگے، اور باطن کے مدعی علم شریعت کے اسرار و کمالات سے جاہل ہو کر رہ گئے۔

تاہم اس دور کے بعد بھی ایسی مستثنیٰ ہستیاں پیدا ہوتی رہیں جن میں نور نبوت کے یہ دونوں رنگ بھرے تھے اور غور سے دیکھیے تو معلوم ہو گا کہ اسلام میں جن بزرگوں سے فیوض پہنچے اور پھیلے وہ وہی تھے جو ان دونوں کے جامع تھے۔ امام غزالی جن سے علم معقول و منقول نے جلوہ پایا علم حقیقت نے بھی انہیں کے ذریعے ظہور پایا۔ حضرت شیخ ابوالنجیب سہروردی ایک طرف شیخ طریقت ہیں تو دوسری طرف مدرسہ نظامیہ کے مدرس، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی امام وقت اور شیخ طریقت دونوں ہیں۔ یہاں تک کہ وہ لوگ جن کو علماء ظاہر سمجھا جاتا ہے۔ جیسے حضرات محدثین امام بخاری ابن حنبل، سفیان ثوری وغیرہ وہ بھی اس جامعیت سے سرفراز تھے۔ متوسلین میں علامہ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم رحمہا اللہ تعالیٰ کو ناواقف باطن سے خالی سمجھتے ہیں حالانکہ ان کے احوال و سوانح ان برکات باطنی سے لبریز ہیں۔ ابن قیم کی منازل السالکین وغیرہ کتابیں پڑھیے تو اندازہ ہو گا کہ وہ آرائش ظاہر اور جمال باطن دونوں سے آراستہ تھے۔

ہندوستان میں جن بزرگوں کے دم قدم سے اسلام کی روشنی پھیلی وہ حقیقت میں وہی تھے جن کی ذات میں مدرسہ اور خانقاہ کے کمالات کی جامعیت تھی کہ وہ اسوۂ نبوت سے قریب تر تھے اس لیے ان کا فیض بعید سے بعید تر حصہ تک پھیلتا چلا گیا۔ آسمانِ دلی کے مہر و ماہ اور تارے شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر شاہ اسماعیل تک کو آپ ایک ایک کر کے دیکھیں تو ظاہر و باطن کے علوم والوں کی یکجائی کا نظارہ آپ کو ہو گا۔ اور اس سے ان کے علمی و روحانی برکات کی وسعت کی حقیقت آشکارا ہو جائے گی۔ وہ علوم کی تدریس کے وقت یعلمهم الكتاب والحكمة کا جلوہ دکھاتے تھے اور حجروں میں بیٹھ کر یزكيهم کی جلوہ ریزی فرماتے تھے۔

پھر ان کے بعد ان کے فیوض و برکات سے جو حامل ہوئے جن کی نشانی یہی چنداں ضروری نہیں کہ "سيماهم في وجوههم من اثر السجود" ان سے دنیا کو جو فیض پہنچا اور دین کی اشاعت و تبلیغ اور قلوب و نفوس کے تزکیہ و تصفیہ کا جو کام انجام پایا وہ بھی ظاہر و باطن کی اسی جامعیت کے آئینہ دار تھے اور آئندہ بھی سنن الٰہیہ کے مطابق دین کا فیض جن سے پھیلے گا وہ وہی ہوں گے جن کے اندر مدرسیت اور خانقاہیت کی دو سوتیں ایک چشمہ بن کر بہیں گی۔ مرج البحرين

یلتقیان آنکھوں کا نور شب بیداری سے بڑھتا اور زبان کی تاثیر ذکر کی کثرت سے پھیلتی ہے رات کے راہب ہی اسلام میں دن کے سپاہی ثابت ہوتے ہیں۔ سوانح و تراجم کا سیزدہ صد سالہ دفتر اس دعوے کا شاہد ہے۔ زبان کی روانی اور قلم کی جولانی دل کی تابانی کے بغیر سراب کی نمود سے زیادہ نہیں خواہ اس وقت کتنا ہی تابناک نظر آتا ہو مگر وہ مستقبل اور مستقل وجود سے محروم ہے۔

مزاج نبوّت

اس کی ایک خاص وجہ یہ ہے اور وہ یہ کہ ہر قوم اور ہر ملّت کا ایک مزاج ہوتا ہے جب تک پیش نظر اصلاح و تجدید کا کام قوم و ملت کے مزاج کے مطابق نہ ہو گا اس کو کامیابی و سرسبزی حاصل نہ ہو گی۔ اس وقت ملت اسلامیہ کی اصلاح و تجدید کے مدعی مختلف گروہ ہیں ایک گروہ نے تو اس کی ضرورت سمجھی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا عہد پرانا ہو چکا اب ایک نئی ظلی نبوت اور رسالت کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اس نے اس کی دعوت دی اور ناکام رہا۔ اور ملت محمدیہ سے ان کا رشتہ کٹ گیا۔ دوسرے گروہ نے نبوت و رسالت محمدی کو تو قائم رکھا مگر وحی محمدی کی تعبیر کی تغیر و تبدیلی کی ضرورت سمجھی، احادیث نبوی سے انکار کیا۔ قرآن پاک کی تعبیر کے لیے اپنے عقلی قیاسات اور زمانۂ حال کی تاثیرات کو موجِب قرار دیا۔ یہ گویا ایک نئے قرآن کا طالب ہے۔ اس جماعت کا رشتہ بھی ملت محمدیہ سے کمزور پڑ گیا اور اب ان کا ہر مجتہد "حسبنا کتاب اللہ" کہہ کر کتاب اللہ کی نئی تعبیر کرتا اور نئی نماز، نیا روزہ، نیا طریق حج اور نئی شریعت نکال رہا ہے۔ تیسری جماعت کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ کو یاد کرتی ہے مگر ہر آیت و حدیث کو اپنی عقلیت کے معیار پر جانچنا چاہتی ہے اور اسی لیے معجزات کی منکر، جنت و دوزخ کی حقیقت سے منحرف، ربا کے جواز کی قائل اور بہت سے ان مسائل کو جن کا زندگی سے تعلق ہے دین شریعت کے بجائے "عقل اور اصول فطرت" سے طے کرنا چاہتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا شمار دینِ محمدی کے مؤولین میں ہوا۔ مومنین و قائلین میں نہیں۔

ایک نیا گروہ ہے جو نئی نبوت نہیں چاہتا، نیا قرآن نہیں مانگتا، نئی نماز اور نئے روزہ کا مبلغ نہیں، لیکن وہ ایک نئی امامت کا خواستگار ہے جو اسلام کا نیا نظام مرتب کرے، کفر و ایمان و نفاق اور اطاعت امیر کے نئے نقشے کھینچے اور یورپ کی ازم والی تحریکوں کی طرح مسلمانوں میں ایک نئی تحریک کا آغاز کرے اور اسلام ازم کو اسی "ازم" والے عزم اور جوش و خروش سے نوجوانوں میں پھیلائے اور مسائل کلامی و فقہی کا فیصلہ ایک نئے مجتہدانہ انداز سے کرے۔ ممکن ہے کہ یہ گروہ اس موجودہ انقلابی دور میں نوجوانوں کے لیے تسلی و تشفی کا پیغام ثابت ہو۔ اور اقتصادی و سیاسی راہ سے الحاد کا جو سیلاب آ رہا ہے اس کے روکنے کا کام کرے لیکن اس کا طریق فکر اور طریق کار امت کے جمیع طبقات کے مطابق نہیں ولعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا۔

حاصل یہ ہے کہ امت محمدیہ کے مزاج کے مطابق یہ ضروری ہے کہ داعی اور دعوت اور طریق دعوت تینوں چیزیں ٹھیک ٹھیک طریق نبوت اور اسوۂ نبوت کے مطابق ہوں۔ داعی خود بھی قلباً اور قالباً داعی اول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت رکھتا ہو جس حد تک یہ نسبت قوی ہو گی دعوت میں تاثیر اور کشش پیدا ہو گی۔ پھر ضروری ہے کہ دعوت وہی ہو یعنی خالص اسلام اور ایمان اور عمل صالح کی دعوت ہو۔ پھر دعوت کا طریق بھی وہی اختیار کیا جائے جو داعیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اختیار فرمایا تھا جس حد تک ان تینوں امور میں عہد رسالت و نبوت کے ساتھ قرب و مناسبت جتنی زیادہ ہو گی اتنی ہی زیادہ دعوت کی قوت میں تاثیر اور دعوت کے دائرہ میں وسعت پیدا ہو گی اور راہ کی ضلالت سے حفاظت اور صراط مستقیم کی طرف رہبری کی طاقت میں اضافہ ہو گا۔ گذشتہ صدیوں کے جن داعیانِ امت کے تجدیدی کارناموں کو امت نے تسلیم کیا ہے ان کی تاریخ سے بھی ان اصولوں کی سچائی ثابت ہوتی ہے۔

الغرض ضرورت یہ ہے کہ داعی اپنے علم و عمل، فکر و نظر، طریق دعوت اور ذوق و حال میں انبیاء علیہم السلام اور خصوصاً محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خاص مناسبت رکھتا ہو۔ صحت ایمان اور ظاہری عمل صالح کے ساتھ اس کے باطنی احوال بھی منہاج نبوت پر ہوں محبت الٰہی، خشیۃ الٰہی، اخلاق اللہ، تعلق مع اللہ کی کیفیت ہو، اخلاق و عادات و شمائل میں اتباع سنن نبوی ؐ کی کیفیت ہو، حب للہ، بغض للہ، رافت و رحمت بالمسلمین اور شفقت علی الخلق اس کی دعوت کا محرک ہو اور انبیاء علیہم السلام کے بار بار دہرائے ہوئے اصول کے مطابق سوائے اجر الٰہی کی طلب کے کوئی مقصود نہ ہو ان اجری الا علی اللہ اور اس کی طلب کی ایسی دھن ہو کہ جاہ و منصب، مال و دولت، عزت و شہرت اور نام و نمود اور ذاتی آلام و آسائش کا کوئی خیال راہ میں مانع نہ ہو، اس کا بیٹھنا، اٹھنا، بولنا، چالنا غرض اس کی زندگی کی ہر جنبش و حرکت اسی ایک سمت میں سمٹ کر رہ جائے اِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

تبلیغی ناکامی کی وجوہ

سنہ ۱۹۲۱ء کی بات ہے کہ ہندوستان میں آریوں کی کوشش سے جاہل نومسلم دیہاتی علاقوں میں ارتداد کی آگ پھیلی اس آگ کے بجھانے کے لیے ہر چہار طرف مسلمان کھڑے ہوئے بہت سی تبلیغی انجمنیں بنیں۔ ہزاروں روپے کے چندے ہوئے مبلغین نوکر رکھ کر جگہ جگہ پھیلائے گئے۔ مناظرین اسلام نے بحث و مناظرہ کے میدان گرم کیے اور کئی سال تک بڑے دھوم دھام سے یہ کام ہوتا رہا۔ آخر آہستہ آہستہ جوش و خروش کم ہوتا گیا۔ ایک ایک انجمن ٹوٹ گئی چندوں کی کمی سے مبلغین برطرف ہوتے گئے مناظرین کے بلاوے بھی گھٹنے لگے اور بالآخر سمندر میں بالکل سکون پیدا ہو گیا۔ (باقی آئندہ)

تحریکِ ختم نبوت میں جماعتِ اسلامی کا رُخِ کردار

قسط نمبر ۷

تحریک ختم نبوت میں جن علماء نے حصہ نہیں لیا تھا مودودی صاحب انہیں شامل تھے

خواجہ ناظم الدین نے پارلیمنٹ میں بیان دیکر علماء کے نام بتائے تھے

تحریک ختم نبوت درحقیقت دستوری مسئلہ کو کھٹائی میں ڈالنے کی ایک سازش تھی۔ (مودودی)

تحریر: مجاہد الحسینی

"بانی سلسلہ جماعت اسلامیہ" جناب مودودی صاحب نے صرف مذکورہ بالا انٹرویو برائے ہفت روزہ پیمان کراچی میں ہی اس بات کا اظہار نہیں کیا ہے کہ ۱۹۵۳ء میں ان کی گرفتاری "قادیانی مسئلہ" کی اشاعت کے سبب نہیں ہوئی تھی بلکہ اس کے حقیقی محرکات کچھ اور تھے۔ جماعت اسلامی کے ترجمان ماہنامہ چراغ راہ کراچی ماہ جون ۱۹۵۳ء میں بھی اسی موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا گیا ہے — "الزام یہ ہے کہ مولانا مودودی نے "قادیانی مسئلہ" سے عوام کے جذبات کو مشتعل کیا کیا ہم پوچھ سکتے ہیں کہ ڈائریکٹ ایکشن کے لیڈروں سے تو ایسی کوئی حرکت سرزد نہیں ہوئی تھی؟ پورے ایک مہینے کا نوٹس دینے کے بعد ڈائریکٹ ایکشن کمیٹی جلسے بھی کرتی رہی، جلوس بھی نکالتی رہی اور ملک بھر میں ہڑتالیں بھی کراتی رہی۔ اس ایک مہینے کی سرکردہ علماء کی سرگرمیاں جذبات کو اتنا اشتعال نہ دے سکیں جتنا کہ اس چند صفحوں کے چھوٹے سے پمفلٹ نے دیا۔ کیا یہی وجہ ہے کہ ڈائریکٹ ایکشن کے لیڈروں کو تو صرف ایک ایک سال کی سزائے قید ہوئی اور مولانا مودودی کو سزائے موت، اور پھر رحم کھا کر یا عوام کے دباؤ سے مجبور ہو کر چودہ برس کی قید با مشقت حکومت کے ان فیصلوں سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ مولانا مودودی ڈائریکٹ ایکشن کی تحریک کے مخالف تھے انہوں نے اپنے اہل جماعت کو بھی اس سے الگ رہنے کی ہدایت کی اور خود خواجہ ناظم الدین نے بھی پارلیمنٹ میں بھی اس امر کا اعتراف کیا کہ چند علماء اس تحریک سے الگ ہیں اور اس سے اشارہ مودودی صاحب ہی کی طرف تھا۔"

درحقیقت جماعت اسلامی کے رہنما تحریک کے دوران دو رخی پالیسی اور "ذوالوجہین" کا کردار ادا کر رہے تھے وہ کھل کر تحریک کی مخالفت بھی نہیں کرنا چاہتے تھے اور نہ ہی اس سے دامن کش ہو کر بالکل الگ تھلگ ہونا چاہتے تھے۔ اسی منافقانہ پالیسی کے باعث مودودی صاحب کو تو سزائے موت کا حکم سنایا گیا اور پھر رحم کھا کر وہ سزا چودہ برس میں تبدیل کر دی گئی حتیٰ کہ پُراسرار طور سے (حکومت کو خفیہ یقین دہانیوں کی بناء پر کہ آئندہ قادیانیوں کے خلاف اس نوعیت کی تحریک میں قطعاً کوئی حصہ نہیں لیں گے) وہ سزا بھی معاف کر دی گئی۔ لیکن اس کے برعکس دیگر رہنماؤں کا طرز عمل واضح اور کردار مبنی برصداقت تھا اور وہ تحریک کے سلسلہ میں اپنی ہر قسم کی سرگرمیوں اور قربانیوں کا برملا اعتراف کرتے تھے اس لیے انہیں ایک ایک سال کی سزا ہوئی۔

• مسلح پٹھانوں کا حملہ

تحریک ختم نبوت کے دوران صرف مودودی صاحب اور تھانوی گروپ نے خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم سے کوئی "خفیہ معاہدہ" کر کے تحریک سے علیحدگی اختیار کر رکھی تھی ان کے علاوہ پوری قوم تحریک تحفظ ختم نبوت میں دل و جان کے ساتھ خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھی اور تمام دینی و مذہبی رہنما اس سلسلہ میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے تھے۔ مشائخ طریقت میں سے بھی حضرت پیر گولڑہ شریف اور حضرت پیر سیال شریف کے علاوہ دیگر سجادہ نشین حضرات نے اپنے مریدوں کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ اس مقدس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ حتیٰ کہ ان دنوں ایس پی راولپنڈی کی رپورٹ کے مطابق پیر گولڑہ شریف کے مریدوں میں سے دس ہزار مسلح پٹھانوں نے تحریک کو کامیاب کرانے کے لیے راولپنڈی کا رخ اختیار کر لیا تھا اور حکومت اس اقدام سے سخت پریشان اور خائف تھی۔ لہذا میں ارباب اقتدار نے کمال حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے حضرت پیر صاحب کے معتمد ترین مرید کے ذریعہ ان مسلح پٹھانوں کو پیغام پہنچایا کہ حکومت نے چونکہ تحریک کے تمام مطالبات تسلیم کر لیے ہیں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ کر دیا گیا ہے اور سابق وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خاں کو مرکزی کابینہ سے الگ کر دیا گیا ہے اس لیے اب کسی قسم کے ایجی ٹیشن اور راولپنڈی پر چڑھائی کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں رہی، چنانچہ دس ہزار مسلح پٹھان جس طرح ولولہ انگیز صورت میں اپنی بندوقیں لہراتے راولپنڈی کی جانب آگے بڑھ رہے تھے اسی انداز میں بے پناہ مسرت اور خوشی کے عالم میں ایک شاندار فاتح کی حیثیت سے واپس لوٹ گئے اور اس طرح چالاکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بلائے ناگہانی سے بزعم خویش نجات حاصل کر لی گئی —!

• قادیانی مسئلہ کی اشاعت

جماعت اسلامی کا یہ کردار سب کے لیے حیرت کا باعث بنا کہ ایک طرف تو وہ مودودی صاحب کے کتابچے قادیانی مسئلہ کی اشاعت کو تاریخی کارنامہ قرار دے کر یہ تاثر دینے کی کوشش کرتی رہی ہے کہ اگر یہ کتابچہ شائع نہ ہوتا تو لوگ درحقیقت قادیانی مسئلہ سے پوری طرح واقف ہی نہ ہوتے اس کتابچے کی اشاعت نے زبردست خلاء کو پُر کیا ہے اور دوسری طرف جب "قادیانی مسئلہ" کی اشاعت پر گرفت ہوئی — اور سنگین سزا کا صرف حکم سنایا گیا تو اپنا موقف تبدیل کرتے ہوئے اعلان کر دیا کہ جماعت اسلامی خود بھی تحریک ختم نبوت سے الگ تھی اور اس کے بانی مودودی صاحب کو جو سزا کا حکم ملا تھا وہ قادیانی مسئلہ کی اشاعت کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اس دور کے ارباب اقتدار نے سیاسی انتقام کے طور پر انہیں گرفتار کیا تھا۔ ہفت روزہ "پیمان" کے مندرجہ بالا انٹرویو میں بھی انہوں نے "وہ مرا داخل زنداں ہونا" کے زیر عنوان بھی فرمایا ہے کہ یہ گرفتاری قادیانی مسئلہ کی وجہ سے نہیں ہوئی تھی۔

• مسئلہ دستور اور قادیانی مسئلہ

"بانی سلسلہ جماعت اسلامیہ" مودودی صاحب نے تحریک تحفظ ختم نبوت کے دوران اپنے پروپیگنڈے کے تمام وسائل و ذرائع اس بات کے لیے وقف کر دیے کہ ختم نبوت کا مسئلہ دستور اسلامی کے نفاذ کے ساتھ ہی حل ہو جائے گا۔ اس کے لیے الگ تحریک چلانے کی ضرورت نہیں — حتیٰ کہ مودودی صاحب نے یہاں تک لکھ دیا تھا کہ تحریک ختم نبوت درحقیقت پاکستان کے دستوری مسئلہ کو کھٹائی میں ڈالنے کی ایک خطرناک سازش ہے۔

(باقی)

حق شناس — ایک علمی و تحقیقی مسئلہ

کیا مسیح علیہ السلام کو سُولی پر لٹکایا گیا تھا؟

قسطِ آخری

چودھواں اختلاف

یوسف آرمیتیا کون تھا

متی اس کے متعلق کہتا ہے یوسف نام ارمتیاہ کا ایک دولت مند شخص آیا وہ خود بھی یسوع کا شاگرد تھا۔ ۲۷/۵۷

مرقس کہتا ہے "آرمیتیاہ کا رہنے والا یوسف آیا جو عزت دار مشیر اور خود بھی خدا کی بادشاہت کا منتظر تھا۔ ۱۵/۴۳

لوقا کہتا ہے "یوسف نام ایک شخص مشیر تھا جو نیک اور راست باز آدمی تھا اور ان کی صلاح اور کام سے ناخوش تھا۔ یہ یہودیوں کے شہر آرمیتیاہ کا باشندہ تھا اور خدا کی بادشاہت کا منتظر تھا۔ ۲۳/۵۰-۵۱

یوحنا کہتا ہے "آرمیتیا کے رہنے والے یوسف نے جو یسوع کا شاگرد تھا لیکن یہودیوں کے ڈر سے خفیہ طور پر۔ ۱۹/۳۸

پس مرقس اور لوقا کے بیان کے مطابق یوسف یہودیوں کی مجلس منتظمہ (اسنہدریم) کا ممبر اور راستباز آدمی تھا اور یوحنا کے نزدیک یوسف یہودیوں کے ڈر کی وجہ سے خفیہ شاگرد تھا۔ متی اسے علانیہ طور پر مسیح کا شاگرد قرار دیتا ہے۔ خواہ کوئی صورت بھی ہو، سوال یہ ہے کہ یوسف آرمیتیاہ ایسا شخص جو یہود کے ڈر سے اپنے ایمان کا بھی اظہار نہیں کر سکتا ایسے خطرناک وقت میں جبکہ یسوع کے تمام شاگرد اس سے بے وفائی کر چکے ہے کس طرح جرأت کر سکتا ہے کہ پلاطوس سے جا کر یسوع کی لاش طلب کرے۔ یہ بیان بظاہر غیر معقول ہے۔ پھر قابل تعجب یہ ہے کہ پلاطوس بھی اس سے یہ دریافت نہیں کرتا کہ آپ کا یسوع سے کیا رشتہ ہے اور کیوں لاش طلب کرتے ہو بلکہ وہ فی الفور اس کو لاش دے دیتا ہے اور ایک ہی واقعہ پر اگر مسیحی دوست غور کریں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ سب کچھ پلاطوس کی زبردست اور پختہ تجویز کا نتیجہ تھا اور اس وقت مصلحت یہی تھی کہ لاش کے لیے ایسے شخص کو منتخب کیا جائے جس کا بھی ہونا مخفی ہو اور وہ پلاطوس کی جرأت دلانے پر جرأت سے فی الفور انتظام کر سکے۔

پندرھواں اختلاف

یسوع کی قبر کس نے کھودی

یوحنا کہتا ہے "اور جس جگہ اسے صلیب دی گئی، وہاں ایک باغ تھا اور اس باغ میں ایک نئی قبر تھی جس میں کبھی کوئی نہ رکھا گیا تھا پس انہوں نے یہودیوں کی تیاری کے دن کے باعث یسوع کو وہیں رکھ دیا کیونکہ یہ قبر نزدیک تھی۔" ۱۹/۴۱-۴۲

لوقا کہتا ہے "پھر ایک قبر کے اندر رکھ دیا جو چٹان میں کھدی ہوئی تھی اور اس میں کبھی کوئی رکھا نہ گیا تھا۔" ۲۳/۵۳

مرقس کہتا ہے "اور ایک قبر کے اندر جو چٹان میں کھودی گئی تھی اسے رکھا۔" ۱۵/۴۶

متی کہتا ہے "اور یوسف نے لاش کو لے کر صاف مہین چادر میں لپیٹا اور اپنی نئی قبر میں رکھ دیا جو اس نے چٹان میں کھدوائی تھی۔" ۲۷/۵۹-۶۰

تینوں گواہ قبر کے کھدوانے والے کا نام ذکر نہیں کرتے بلکہ لوقا اپنے بیان کے آخری حصہ میں اشارہ کرتا ہے کہ گویا قبر مدت سے موجود تھی لیکن خدا بھلا کرے متی کا جس نے صاف بتا دیا کہ خود یوسف آرمیتیاہ نے اس قبر کو کھدوایا تھا۔

متذکرہ بالا بیانات سے مندرجہ ذیل باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

اول :- قبر صلیب کی جگہ سے قریب باغ میں تھی،

دوم :- چٹان میں کھودی ہوئی تھی یعنی وسیع مکان تھا۔

سوم :- اس قبر میں پہلے کوئی رکھا نہ گیا۔ گویا اس جگہ کی ہوا بدبودار نہ تھی، چہارم :- یہ نئی تھی، پنجم :- یوسف آرمیتیاہ نے خاص طور پر اسے کھدوایا تھا۔

ان پانچ امور کے ساتھ اگر یہ بھی ملا لیا جائے کہ اس مہم کے سر انجام دینے میں یوسف آرمیتیاہ کا شریک نیکودیمس صلیب سے پہلی رات یسوع کے پاس گیا تھا۔ یوحنا ۱۹/۳۹

گویا اس تمام تجویز کا یسوع کو بھی علم تھا تو حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی انسان انصاف سے ان امور پر غور کرے تو اسے فوراً اقرار کرنا پڑے گا کہ پلاطوس نے اپنی تجویز کو کامیاب بنانے کے لیے یوسف اور نیکودیمس کو شریک کیا انہوں نے تمام انتظامات خوشبوؤں وغیرہ کے متعلق پہلے سے کر رکھے تھے اور پلاطوس نے ان کو مقام صلیب سے قریب قبر کھدوانے کا بھی اشارہ کر دیا تھا۔ غرض پلاطوس کی تجویز کامیاب ہو گئی اور یسوع کی بیہوشی کا بروقت تدارک کر لیا گیا اور وہ موت سے بچ گئے۔

سولھواں اختلاف

مسیح کی قبر میں رکھے جانے کے وقت عورتیں کہاں تھیں

متی کہتا ہے اور مریم مگدلینی اور دوسری مریم وہاں قبر کے سامنے بیٹھی تھیں۔" ۲۷/۶۱

مرقس کہتا ہے "اور مگدلینی اور یوسیس کی ماں مریم دیکھ رہی تھیں کہ وہ کہاں رکھا گیا ہے۔" ۱۵/۴۷

لوقا کہتا ہے "اور ان عورتوں نے جو اس کے ساتھ گلیل سے آئی تھیں پیچھے پیچھے جا کر اس قبر کو دیکھا اور یہ بھی کہ اس کی لاش کس طرح رکھی گئی ہے۔" ۲۳/۵۵

یوحنا اس کے متعلق خاموش ہے۔

متذکرۃ الصدر تینوں بیانات میں اختلاف ہے۔ متی و مرقس صرف دو مریموں کا ذکر کرتے ہیں۔ اور لوقا گلیل کی تمام موجود عورتوں کو حاضر بتاتا ہے۔ نیز قبر کے سامنے بیٹھنا اور دیکھنا کہ وہ کہاں رکھا گیا ہے میں بھی فرق ہے۔

سترھواں اختلاف

مسیح کی قبر پر سب سے پہلے کون آیا۔ کب اور کیوں

انجیلی روایات اس بارے میں بہت مختلف ہیں

متی کہتا ہے اور سبت کے بعد ہفتے کے پہلے دن پو پھٹتے وقت مریم مگدلینی اور دوسری مریم قبر کو دیکھنے آئیں۔ ۲۸/۱

مرقس کہتا ہے "جب سبت کا دن گزر گیا تو مریم مگدلینی اور یعقوب کی ماں سلومی نے خوشبودار چیزیں مول لیں تاکہ آ کر اس پر ملیں۔ وہ ہفتہ کے پہلے دن بہت سویرے جب سورج نکلا ہی تھا قبر پر آئیں۔" ۱۶/۱-۲

لوقا بیان کرتا ہے "ہفتے کے پہلے دن وہ گلیلی عورتیں صبح سویرے ہی ان خوشبودار چیزوں کو جو تیار کی تھیں لے کر قبر پر آئیں۔" ۲۴/۱

یوحنا کہتا ہے "ہفتے کے پہلے دن مریم مگدلینی تڑکے کہ ابھی اندھیرا ہی تھا قبر پر آئی اور پتھر کو قبر سے ہٹا ہوا دیکھا۔" ۲۰/۱

ان روایات سے مندرجہ ذیل امور واضح ہیں

(الف) قبر پر سب سے پہلے صرف مریم مگدلینی آئی تھی۔ یوحنا کے قول کے مطابق اور لوقا کے نزدیک گلیلی عورتیں اور ان کے ساتھ مرد سب سے پہلے آئے تھے اور مرقس کے نزدیک یعقوب کی ماں مریم سلومی اور مریم مگدلینی اکٹھی سب سے پہلے آئیں۔ ظاہر ہے کہ ان بیانات مختلفہ میں تطبیق ممکن نہیں (ب) متی کے نزدیک وہ دو عورتیں صرف "دیکھنے آئی تھیں اور مرقس اور لوقا کے نزدیک مسیح پر خوشبویات ملنے آئی تھیں۔ یوحنا اس آمد کے سبب کو بیان کرنے سے خاموش ہے

(ج) آمد کے وقت میں بھی اختلاف ہے۔ یوحنا کہتا ہے "ایسے تڑکے کہ ابھی اندھیرا ہی تھا اور مرقس بیان کرتا ہے "صبح سویرے ہی" غرض قبر پر سب سے پہلے آنیوالے آنے کی غرض اور آنے کے وقت کا اچھا اختلاف موجود ہے۔

ہندوستانی پادریوں کی ایک خیانت

عربی انجیل میں لوقا باب ۲۴ کی پہلی آیت میں گلیلی عورتوں کے ساتھ مردوں کے ہونے کا بھی ذکر ہے لفظ یہ ہیں۔

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

حضور اکرم کی شخصی عظمت!

غیر مسلم محققین اور زعما کی نظر میں!

فرانس کے مشہور مؤرخ و محقق "گیبٹو لیبان" نے اپنی کتاب تمدنِ اسلام میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان الفاظ میں توصیف و تعریف کی ہے

"اگر اشخاص کی بزرگی اور وقعت کا اندازہ ان کے کاموں سے کیا جا سکتا ہے تو ہم کہیں گے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دنیا کی مقدس ہستیوں میں خاص فوقیت رکھتے تھے۔ بعض مؤرخوں نے تعصب کی بنا پر آپ کے کاموں کو پوری وقعت نہیں دی۔ لیکن فی زمانہ خود مورخین یورپ انصاف کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ چنانچہ ہمارے طبقہ کے سربرآوردہ شخص اور مستند مؤرخ "موسیو بار تھیلمی سینٹ ہیلر" نے نہایت تحقیقات کے بعد حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں لکھا ہے کہ "محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے زمانے کے عربوں میں سب سے زیادہ سلیم الطبع، سب سے زیادہ با خدا اور سب سے زیادہ رحمدل شخص تھے۔ آپ نے جو کچھ حکومت حاصل کی۔ وہ محض اپنی ذاتی فضیلت کی وجہ سے تھی۔ جس مذہب کی آپ نے اشاعت کی وہ ان اقوام کے لیے جنہوں نے اسے قبول کیا ایک نعمتِ عظمیٰ بن گیا۔

"بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اشاعتِ اسلام کا سبب صرف یہ ہے کہ اس مذہب میں شہواتِ نفسانی کی باگ ڈور ڈھیلی کر دی گئی ہے اور علاوہ اس کے یہ مذہب بزورِ شمشیر پھیلایا گیا ہے"۔ "ہم نہایت آسانی کے ساتھ ثابت کر سکتے ہیں کہ یہ الزامات بالکل غلط ہیں" "ہانگز" نے ایک بڑی لمبی چوڑی فہرست ان اخلاقی احکام کی شائع کی ہے جو مسلمانوں میں بطور مقولوں کے رائج ہیں۔ بلا طرفداریٔ اسلام یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان مقولوں سے بہتر کوئی دستور العمل انسان کو عملاً نیکی کی طرف راغب کرنے اور بدی سے محترز ہونے کے لیے رہنما نہیں ہو سکتا"۔

"یہ امر تاریخ سے ثابت ہو چکا ہے کہ کوئی مذہب بزورِ شمشیر نہیں پھیل سکتا۔ جس وقت عیسائیوں نے اندلس کو عربوں سے جیت لیا۔ اس وقت مفتوح قوم نے دینا قبول کیا لیکن مذہب تبدیل کرنا گوارا نہ کیا۔"

"چین میں اگرچہ عربوں نے گز بھر زمین پر بھی قبضہ نہیں کیا تاہم اس وقت مسلمانوں کی تعداد سات کروڑ ہے"۔

اسی طرح آرتھر گلین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عفو و کرم کو تاریخ کا ناقابلِ یقین کارنامہ قرار دیا ہے۔ کہتا ہے۔

"کیا ہم حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں یہ نقص نکال سکتے ہیں کہ انہوں نے خدا کو رحیم و کریم بتلایا۔ اور عرب کے سینکڑوں بتوں اور معبودوں کے مقابلہ میں خدا کو وحدہٗ لاشریک بتایا۔ اس سے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بزرگی اور عظمت ظاہر نہیں ہوتی کہ انہوں نے ایسا اعلیٰ درجے کا خیال ظاہر کیا؟ کیا اس سے ان کی سچائی ظاہر نہیں ہوتی کہ مرتے دم تک اپنی تمام زندگی کے اس بڑے اعلیٰ خیال پر مستقل طور پر جمے رہے۔ بے شک محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بزرگی مسلّم اور سچائی ثابت ہے"۔

"حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے باوجود اس کے کہ آپ کفارِ مکہ سے ہر طرح انتقام لینے کی قدرت رکھتے تھے آپ نے اپنی فوج کو خونریزی سے باز رکھا اور ہر طرح عجز و انکسار سے کام لیا۔ فتح مکہ کے بعد پہلا کام جو آپ نے کیا وہ بتوں کو مسمار کرنا تھا۔ اس کے بعد مؤذن کو اذان کا حکم دیا۔ دس بارہ آدمیوں میں سے جو اس سے قبل وحشیانہ و باغیانہ حرکات کے مجرم ثابت ہو چکے تھے صرف چار کو قتل کیا گیا۔ جب ہم دیگر فاتحین عرب کو دیکھتے ہیں تو یہ اندازہ انتہائے رحم کا نظر آتا ہے ۱۰۹۹ عیسوی صلیبی جنگ میں فوج نے فتح بیت المقدس کے وقت ستر ہزار مسلمان مرد عورت اور بچوں کو تہ تیغ کیا۔ ۱۸۷۴ء میں انگریزی فوج نے صلیبی نشان کے پیچھے جنگ کرتے ہوئے افریقہ کے ایک شہر کو جلا کر خاکستر کر دیا۔

ان واقعات کے سامنے فتح مکہ کو دیکھو تو معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کفارِ مکہ کے ساتھ کس قدر رحم و کرم سے کام لیا۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی یہ کامیابی حقیقت میں مذہب کی فتح تھی نہ کہ سیاست کی۔ جب مغرور سرداران قریش آپ کے سامنے لائے گئے تو آپ نے کہا۔ "اب تم مجھ سے کس سلوک کی توقع رکھتے ہو؟"۔ سب نے کہا رحم کی"۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا "اچھا جاؤ تم سب آزاد ہو"۔ کسی قوم کی تاریخ میں عفو و کرم کی ایسی زبردست نظیر تلاش کرنے سے بھی دستیاب نہیں ہو سکتی۔

یورپ کے مشہور محقق و تاریخ دان "سٹینلی لین پول" نے اپنی کتاب "اسپیچز آف محمد" میں مغربی مؤرخین کے لگائے ہوئے الزامات کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شخصیت رحم و شجاعت کا مجموعہ ہے۔ وہ اکیلے برسوں تک اپنے ہموطنوں کی نفرت کا مقابلہ کرتے رہے آپ اتنے خلیق تھے کہ ہر ایک سے محبت سے ملتے۔ اپنے تو اپنے وہ غیروں کے ساتھ بھی شفقت کرتے۔ ان کی پُرخلوص دوستی و ہمدردی، تنظیم، فیاضی، شجاعت و لبسالت بے شک لائق صد تعریف ہے۔

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر طرح طرح کے الزامات عائد کیے جاتے ہیں۔ لیکن بحیثیت محقق اپنی ساری جستجو اور چھان بین کے بعد بھی میں نے کوئی ایسا واقعہ نہیں دیکھا جو الزامات کی تائید کرتا ہو"۔

"جب مکہ فتح ہو گیا اور آپ فاتح کی حیثیت سے شہر میں داخل ہوئے تو محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے یہ وقت خونخواری دکھانے اور تمام شرارتوں کا بدلہ لینے کا تھا۔ آپ کو اذیتیں دینے والے صدمہ پہنچانے والے آپ کے قابو میں تھے۔ پوری طرح ان سے انتقام لیا جا سکتا تھا۔ لیکن آپ نے قریش کے تمام قصور معاف کر دیے اور فوج اس قدر سکوت اور امن کے ساتھ شہر میں داخل ہوئی گویا کوئی نئی بات نہ تھی۔ نہ کوئی گھر لوٹا گیا نہ کسی عورت کی بے حرمتی ہوئی اور نہ کسی کا خون بہایا گیا۔

"ملک گیری کی تاریخ میں اس فتح کے فاتحانہ داخلہ کی کوئی نظیر نہیں مل سکتی"۔

"ہم نے جہاں تک تحقیق سے کام لیا ہے محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی زندگی میں کسی کو اذیت نہیں دی۔ سخت سے سخت جملہ جو کبھی آپ نے استعمال کیا وہ یہ تھا" اس کو کیا ہو گیا ہے اس کی پیشانی خاک آلود ہو"۔ آپ کے معتقدین نے جب کبھی آپ سے بددعا کرنے کی درخواست کی۔ آپ نے یہی جواب دیا" کہ میں بددعا کرنے کے لیے نہیں آیا بلکہ میں انسان کے لیے رحمت بن کر آیا ہوں"۔

روس کے مشہور اہل قلم ٹالسٹائی نے حضور کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات کو ان الفاظ میں

خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

آپ نے مسلمانوں کو نصیحت کی کہ امن کی زندگی بسر کرنا، ایک دوسرے کے مددگار اور بھائی بن کر رہنا، کینہ اور قدیم خیالاتِ انتقام کو دل میں جگہ نہ دینا، کسی کا خون ناحق نہ بہانا۔ اس قسم کی نصیحتیں آپ نے غلاموں اور عورتوں کو بھی کہیں اور آخر میں کہا۔ میں نے تمہیں وہ سب کچھ پہنچا دیا جس کے لیے میں خدا کی طرف سے تمہارے پاس بھیجا گیا تھا۔

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دینِ اسلام کے نبی ہیں۔ آپ نے ان بت پرستوں کو ہدایت دی جو دن رات لڑتے اور جھگڑتے رہتے تھے۔ خون بہانا جن کے لیے کوئی بات ہی نہ تھی۔ جو اپنے معبودوں کے سامنے انسانوں کی قربانیاں کرتے تھے۔ ایسے لوگوں میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نورِ ایمان پیدا کیا۔ انہیں بصیرت اور روحانیت سے سرفراز کیا۔ اور اعلان کیا کہ خدا کے نزدیک سب انسان برابر ہیں۔ کسی کو کسی پر فوقیت نہیں ہے۔

افسوس کہ لوگوں نے خدا کے نیک بندوں کی پیروی چھوڑ دی۔

فرانس کا عظیم جرنیل نپولین بوناپارٹ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس طرح خراج عقیدت پیش کرتا ہے۔

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دراصل سالارِ اعظم تھے آپ نے اہل عرب کو درس اتحاد دیا۔ ان کے آپس کے تنازعات اور مناقشات ختم کیں تھوڑی ہی مدت میں آپ کی امت نے نصف دنیا کو فتح کر لیا۔ ۱۵ سال کے قلیل عرصے میں لوگوں کی کثیر تعداد نے جھوٹے دیوتاؤں کی پرستش سے توبہ کر لی۔ مٹی کی بنی ہوئی دیویاں مٹی میں ملا دی گئیں۔ بت خانوں میں رکھی ہوئی مورتیوں کو توڑ دیا گیا۔ یہ حیرت انگیز کارنامہ تھا۔ آنحضرتؐ کی تعلیم کا یہ سب کچھ صرف پندرہ ہی سال کے عرصے میں ہو گیا جبکہ پندرہ سو سال میں بھی حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ اپنی امتوں کو صحیح راہ پر لانے میں کامیاب بھی نہ ہوئے تھے۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) عظیم انسان تھے۔ جب آپ دنیا میں تشریف لائے اس وقت اہل عرب صدیوں سے خانہ جنگی میں مبتلا تھے۔ دنیا کے اسٹیج پر دیگر قوموں نے جو عظمت و شہرت حاصل کی۔ اس قوم نے بھی اس طرح ابتلاء مصائب کے دور سے گزر کر عظمت حاصل کی۔ اور اس نے اپنی روح و نفس کو تمام آلائشوں سے پاک کر کے تقدس و پاکیزگی کا جوہر حاصل کیا۔" صفحہ ۱۰۹

BONA PART ETL

— ISLAM

یورپ کا مشہور عالم طامس کارلائل حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صداقت کا ان الفاظ میں اظہار کرتا ہے۔

"صحرائے عرب کی یہ عظیم شخصیت جنہیں دنیا "محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام سے جانتی ہے پاکیزہ روح، شفاف قلب، بلند نظری اور مقدس خیالات رکھتا تھا۔ وہ نہایت سرگرم اور پرجوش لوگوں میں رہتے تھے۔ جن کو خدا ہی نے حق و صداقت کی اشاعت کے لیے پیدا کیا"۔

ہستی کا بھید ان پر کھل گیا۔ آپؐ کا کلام خود خدا کی آواز تھا۔

اس مقدس ہستی نے مدتوں غور کیا۔ میں کیا ہوں؟ زندگی کیا ہے؟ موت کیا ہے؟ مجھے کیا کرنا ہے؟ کوہ حرا کی چٹانوں نے، ریتلے میدانوں نے اس کا جواب نہیں دیا۔ بڑے بڑے آسمانوں نے روشن ستاروں نے اس کا جواب نہیں دیا۔ کوئی جواب نہ ملا۔ خدا کے الہام نے جواب دیا۔ بس محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جو ایک سیدھے سادے عرب تھے اپنے ملک کی بکھری ہوئی چھدری، ننگی، بھوکی قوم کو ایک باعزت اور باوقار بنا دیا۔

تیس برس سے کم مدت میں اس منصوبے اور نظام نے شہنشاہوں کو شکست دی۔ ایران کے بادشاہوں کو مغلوب کیا۔ شام، عراق اور مصر کو فتح کیا۔ اور بحیرہ خضر سے اسپین تک حقانیت کو پھیلا دیا اور گزشتہ بارہ صدی سے اب تک سوائے اسپین کے ان حدود میں برابر مسلمانوں کی سلطنت چلی آتی ہے اور اسلام شمالی ایشیا، وسط افریقہ اور علاقہ کیسپین اور یورپ میں پھیل گیا۔ اور پھیلتا چلا جاتا ہے۔

یہ درحقیقت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صداقت تھی جو کامیاب ہوئی۔

سر ولیم میور جو مغربی مؤرخین میں انتہائی متعصب سمجھا جاتا ہے وہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ کی برملا تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا۔ لکھتا ہے:۔

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے حلقہ اثر اور دائرہ حکومت میں ہر چند پورے اختیارات رکھتے تھے۔ لیکن پھر بھی مفسدین سے مقابلہ کرتے ہوئے آپ ہمیشہ انصاف اور رحمدلی کو پیش نظر رکھتے تھے۔ جب آپ کے مطالبات خوشی سے تسلیم کر لیے جاتے تو آپ دشمنوں سے بھی حسن سلوک سے پیش آتے تھے۔ آپؐ کے ابنائے وطن نے جس طرح آپؐ کے حقوق کے خلاف سرکشی کی، وہ ایک ظالم حکمران کے لیے کافی وجہ ہو سکتی تھی کہ وہ ان سب کو تباہ و برباد کر دیتا۔ لیکن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سوائے چند مجرموں کے باقی سب کو عام معافی دے دی۔ اور تمام گزشتہ مظالم پر خاک ڈال دی۔ آپؐ کا تحمل اخلاق انسانی ایک حیرت انگیز کارنامہ ہے"۔

مشہور گبن رقمطراز ہے:۔

"ہر انصاف پسند شخص یہ یقین کرنے پر مجبور ہے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تبلیغ و ہدایت خالص سچائی اور خیر خواہی پر مبنی تھی۔ محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) شاہی شان و شوکت کو بالکل ہیچ سمجھتے تھے۔ گھر کے ادنیٰ ادنیٰ کام آپ خود کرتے تھے۔ آگ سلگاتے، جھاڑو دیتے، دودھ دوہتے، اپنی جوتیاں گانٹھتے، کپڑوں میں اپنے ہاتھ سے پیوند لگاتے، جَو کی روٹی کھاتے، مہمانوں کو اچھا کھلاتے۔ مگر آپؐ کے گھر میں اکثر مہینوں آگ نہ جلتی۔ دودھ اور شہد بہت پسند تھا۔ معمولی خوراک کھجوریں اور پانی پر بسر کرتے تھے"۔

جارج برنا ڈشا لکھتا ہے:۔

"ازمنہ وسطیٰ میں عیسائی راہبوں نے جہالت و تعصب کی وجہ سے مذہب اسلام کی بڑی بھیانک تصویر پیش کی ہے۔ بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی انہوں نے تو حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے مذہب کے خلاف باضابطہ تحریک چلائی۔

خوابوں کے متعلق

امام ربانیؒ کا ارشاد

حضرت سیدنا و مرشدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:۔

"بدانی کہ منامات و واقعات شایانِ اعتماد و اعتبار نیست۔ اگر کسے خود را در خواب یا در واقعہ بادشاہ دید یا قطب وقت یافت فی الحقیقت نہ چنیں است۔ بیرون خواب و واقعہ اگر بادشاہ شود یا قطب گردد مسلّم است۔ پس از مواجید ہر چہ در بیداری و افاقت ظاہر شود گنجائش اعتماد دارد۔ والا فلا (مکتوب ۱۹۰۔ دفتر اول)

ترجمہ: اور یاد رکھیں کہ خواب اور قلبی پر گزرنے والے واردات اعتماد و اعتبار کے قابل نہیں۔ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو خواب میں یا قلبی واردات میں بادشاہ دیکھے یا وقت کا قطب پائے تو حقیقتاً نہ وہ بادشاہ ہے اور نہ ہی قطب وقت۔

ہاں! اگر خواب کی حالت کے علاوہ (یعنی بیداری کی حالت میں) اگر بادشاہ بن جائے یا قطب ہو جائے تو یہ بات قابل تسلیم ہوگی۔ جو کچھ بیداری اور صحو (ہوش) کی حالت میں ظاہر ہو "اسے سچا ماننا پڑے گا۔ علاوہ ازیں اعتبار کی گنجائش نہیں۔

انوارُ القرآن

◎ کفّار کی نفسی حالت ◎ انسانی فطرت کی شہادت

◎ مسلمانوں کے لیے درسِ عبرت ◎ اور دعوتِ انقلاب

محمد مقبول عالم بی اے لاہور

انسان کی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ اللہ تبارک و تعالٰے کے رب حقیقی ہونے کا اقرار کرے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائے، اس کی بندگی کرے اور اس کے حکموں پر چلے۔ قرآن حکیم نے اسے یوں بیان کیا ہے کہ روزِ اوّل ہی جب تمام انسانوں کی ارواح سے پوچھا گیا، اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ۔ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ قَالُوْا بَلٰی! توسب نے کہا بے شک تو ہی ہمارا رب ہے۔

انسان جب دنیا میں آتا ہے تو دنیوی زندگی کی آلودگیوں سے اس کا دامنِ فطرت مکدر ہو جاتا ہے تب وہ اللہ تعالٰے کے بارے میں صحیح تصور پر قائم نہیں رہتا اور الحاد و شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ وہ دوسروں کو اپنا رب بنا لیتا ہے، انہیں پکارتا ہے اور انہیں اپنا حاجت روا سمجھتا ہے۔ اگرچہ کبھی کبھی جب وہ بے بسی اور لاچارگی میں مبتلا ہوتا ہے تو پھر خالص اللہ کو پکارتا ہے۔ یہ اس کی اصل فطرت کی پکار ہوتی ہے۔ لیکن جب وہ حالت دور ہو جاتی ہے تو پھر شرک کرنے لگ جاتا ہے۔ کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنی فطرت کی آواز کو دبا نہیں سکتا اور اپنے شرک کی توجیہہ یہ کہہ کر کرتا ہے کہ ہم نیک ہستیوں یا ان کے بتوں کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ ان کے وسیلے اور واسطے سے اللہ تعالٰے کا قرب حاصل ہو جائے۔

غرض اللہ تعالٰے کے بارے میں غلط تصورات قائم کر لینا اللہ تعالٰے پر افترا کرنا ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالٰے کی صحیح معرفت نہیں رکھتا، وہ اس کی آیات کو بھی کیسے مان سکتا ہے۔ کافر ایک طرف تو اللہ تعالٰے پر افترا کرتا ہے اور دوسرے اس کی آیات کا انکار کرتا ہے۔ یہ کافر کی نفسی حالت ہے۔ اور یہ دونوں باتیں یعنی افترا علی اللہ (اللہ پر افترا کرنا) اور تکذیب بآیات اللہ (اللہ کی آیات کا انکار کرنا) صریحاً ظلم ہیں اور انسان کی فطرت کے خلاف ہیں۔ اس کے ساتھ کافر اعمال کی جزا و سزا (مجازات) کا بھی انکار کرتا ہے۔ اور مرنے کے بعد کسی زندگی کو تسلیم نہیں کرتا اس لیے بداعمالیاں کرتا ہے ایسے لوگ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ان کی زندگی برباد ہو جائے گی اور اچھے نتیجے پیدا نہیں کرے گی۔

اس مضمون کو سورہ انعام کے تیسرے رکوع میں بیان کیا گیا ہے۔ آیات حسب ذیل ہیں:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

"اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے۔ بے شک ظالم لوگ کامیاب نہیں ہوں گے"۔

البتہ ایسے لوگ جب مرنے کے بعد دوسری زندگی میں داخل ہوں گے اور انہیں قیامت کے دن اٹھا کر جمع کیا جائے گا تو اس وقت نہ دنیا کی زندگی اور اس کے سامان ہوں گے اور نہ وہ آلائش و آلودگی ہوگی۔ جو ان کے نورِ فطرت کو چھپائے ہوئے تھی۔ اس وقت ان کی فطرت پکار اٹھے گی اور وہ خود اپنے ہی خلاف گواہی دیں گے اور کہیں گے کہ ہم تو شرک نہیں کرتے تھے۔

اللہ تعالٰے فرماتا ہے:۔

وَیَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ اَشْرَکُوْٓا اَیْنَ شُرَکَآؤُکُمُ الَّذِیْنَ کُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝

"اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے تب ہم ان لوگوں سے کہیں گے جنہوں نے شرک کیا تھا۔ وہ تمہارے شریک کہاں ہیں جن کے لیے تم جھوٹے دعوے کرتے تھے"

ثُمَّ لَمْ تَکُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰہِ رَبِّنَا مَا کُنَّا مُشْرِکِیْنَ ۝

"تب ان کا وہ فتنہ نہ ہو گا مگر یہ کہ وہ کہیں گے ہمیں اللہ اپنے رب کی قسم ہے کہ ہم تو مشرک نہیں تھے"۔

اس طرح وہ صاف اپنے کفر و شرک کا انکار کر دیں گے اور ان کا وہ سارا انکار اور افترا جاتا رہے گا۔ آگے فرمایا:۔

اُنْظُرْ کَیْفَ کَذَبُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ۝

"دیکھو وہ کس طرح اپنے اوپر جھوٹ بولتے ہیں اور جو وہ افترا کیا کرتے تھے ان سے جاتا رہے گا"۔

بعض کفار کی نفسی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ اللہ کی آیتوں کی طرف کان تو دھرتے ہیں لیکن ان کے دلوں پر غفلت و جہالت اور بداعمالیوں کے پردے پڑے ہوتے ہیں۔ اس لیے حقیقت میں نہ ان کے کان سنتے ہیں اور نہ ان کے دل سمجھتے ہیں۔ وہ اللہ تعالٰے کی ساری نشانات دیکھتے ہیں لیکن پھر بھی نہیں مانتے بلکہ الٹا جھگڑا کرتے ہیں اور اللہ کی باتوں کو قصے کہانیاں تصور کرتے ہیں۔ فرمایا:۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّسْتَمِعُ اِلَیْکَ۔

اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو تیری طرف کان دھرتے ہیں

وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَکِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَفِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا۔

"اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں جن کی وجہ سے وہ کچھ نہیں سمجھتے اور ان کے کانوں میں بوجھ ہے"۔

وَاِنْ یَّرَوْا کُلَّ اٰیَةٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا

"اور اگر یہ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں تو بھی ان پر ایمان نہیں لائیں گے"۔ حَتّٰٓی اِذَا جَآءُوْکَ یُجَادِلُوْنَکَ۔ یہاں تک کہ جب وہ تیرے پاس آتے ہیں۔ تجھ سے جھگڑتے ہیں۔ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ۔ تو کافر کہتے ہیں یہ کچھ نہیں مگر پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

اس سے آگے ان کی عملی کمزوری اور بدکرداری بیان کی گئی ہے کہ وہ نہ صرف اللہ تعالٰے کے نازل کردہ صحیح تعلیم سے اپنے غلط تصورات کی اصلاح نہیں کرتے بلکہ دوسروں کو بھی اسے قبول کرنے سے روکتے ہیں۔ یہ بڑی ہلاکت آفریں حالت ہے۔ اس لیے فرمایا۔ وَهُمْ یَنْهَوْنَ عَنْهُ وَیَنْئَوْنَ عَنْهُ اور وہ لوگ اس سے روکتے ہیں اور خود بھی دور رہتے ہیں۔ وَاِنْ یُّهْلِکُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اور وہ صرف اپنے آپ ہی کو ہلاک کرتے ہیں۔ اور سمجھتے نہیں۔

ان کی وہ حالت بھی ملاحظہ کرنے کے قابل ہوگی۔ جب قیامت کے دن انہیں دوزخ کے سامنے لاکھڑا کیا جائے گا اور وہ خواہش کریں گے کہ انہیں دنیا میں پھر بھیجا جائے تو وہ آیاتِ الٰہیہ کی تکذیب نہیں کریں گے اور وہ واقعی مومن بن کر

رہیں گے لیکن یہ محض خواہش ہو گی جو پوری نہیں کی جائے گی۔ چنانچہ فرمایا۔ وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ وُقِفُوْا عَلَی النَّارِ۔ اور کاش تم اس وقت کی حالت دیکھ سکتے جب وہ دوزخ کے کنارے کھڑے کیے جائیں گے فَقَالُوْا تو وہ کہیں گے یٰلَیْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُکَذِّبَ بِاٰیٰتِ رَبِّنَا۔ کاش ہم لوٹائے جائیں اور اپنے رب کی آیتوں کو نہ جھٹلائیں۔ وَنَکُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ اور ہم مومنوں میں سے ہو جائیں۔

ان کی یہ حالت اس لیے ہو گی کہ وہ اپنے عملوں کے نتیجوں کو سامنے دیکھ لیں گے۔ اور انہیں یقین ہو جائے گا کہ اب وہ ان سے کسی طرح نہیں بچ سکتے۔ وہ نتیجے پہلے ان کی نظروں سے پوشیدہ رہے۔ مگر اب وہ ظاہر ہو گئے ہیں۔ اس لیے فرمایا۔ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا کَانُوْا یُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ط بلکہ ان کے لیے ظاہر ہو گیا جو پہلے چھپاتے تھے۔ آگے فرمایا کہ اگر انہیں واپس دنیا میں بھیج بھی دیا جائے تو وہ دنیا کی عظمتوں میں پڑ کر پھر وہی کام کریں گے جن سے انہیں روکا گیا تھا۔ وہ جھوٹ بولتے ہیں کہ ہم مومن بن کر رہیں گے وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَکٰذِبُوْنَ ۝ اور اگر لوٹائے جائیں تو پھر وہی کام کریں گے جن سے انہیں روکا گیا تھا اور وہ یقیناً جھوٹے ہیں۔

ان کی یہ حالت اس لیے ہوئی کہ وہ غلط تصورات اور برے اعمال پر قائم رہے اور ان کی وجہ سے ان کا نورِ فطرت مستور ہو گیا اور ان کے دلوں پر پردے پڑ گئے۔ اصل میں وہ دنیا اور اس کے سامانوں کی محبت میں گرفتار تھے۔ اور دنیا میں آنے کا مقصد ہی بھول گئے تھے۔ وہ سمجھنے لگے کہ بس یہی دنیا کی زندگی ہی اصل زندگی ہے۔ مرنے کے بعد کوئی زندگی نہیں اور نہ انہیں اٹھایا جائے گا۔ یہ ان کی تیسری نفسی حالت ہے کہ وہ افترا علی اللہ اور تکذیب بآیات اللہ کے بعد تکذیب بالآخرۃ بھی کرتے ہیں اور جزا و سزا کا انکار کرتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا وَقَالُوْٓا اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا اور کہتے ہیں اس دنیا کی زندگی کے سوا ہمارے لیے اور کوئی زندگی نہیں۔ وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ ۝ اور ہم اٹھائے نہیں جائیں گے لیکن جب انہیں صبح قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اور پوچھا جائے گا کہ کیا یہ حق نہیں ہے؟ تو کہیں گے، قسم بخدا یہ تو سب حق ہے۔ پھر اس وقت فیصلہ سنا دیا جائے گا کہ اب کفر کی وجہ سے عذاب کا مزہ چکھو۔ فرمایا۔ وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ وُقِفُوْا عَلٰی رَبِّهِمْ ط اور کاش کہ تو دیکھے جب وہ اپنے رب کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے

قَالَ اَلَیْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ط وہ فرمائے گا۔ کیا یہ سچ نہیں؟ قَالُوْا بَلٰی وَرَبِّنَا۔ کہیں گے ہاں ہمیں اپنے رب کی قسم ہے قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا کُنْتُمْ تَکْفُرُوْنَ ۝ تو وہ فرمائے گا پس عذاب چکھو۔ اس لیے کہ تم کفر کرتے تھے۔

درسِ عبرت

ان آیات میں کفار کی نفسی حالت کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ ان کی اصل بیماری یہ ہے کہ وہ دنیا کی زندگی اور اس کے ساز و سامان سے اتنی محبت کرتے ہیں کہ اپنے ربِ حقیقی کو بھول جاتے ہیں اور اس کے بارے میں غلط تصورات قائم کر لیتے ہیں۔ پھر لاپروا ہو کر بداعمالیاں کرتے ہیں اور ان کے نتائج سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ جزا و سزا کوئی چیز نہیں۔ لیکن جب قیامت کے دن انہیں نتائج بد دکھا دیے جائیں گے اور انہیں اپنے رب کے سامنے کھڑا کیا جائے گا۔ تو فیصلہ سنا دیا جائے گا کہ انہیں دوزخ میں داخل کر دیا جائے۔ پھر دنیا والی غفلت نہیں رہے گی اور حسرت سے کہیں گے کہ کاش! ہمیں دنیا میں واپس بھیج دیا جائے تو ہم آیات اللہ کا انکار نہیں کریں گے اور مومن بن کر رہیں گے۔

ان آیات میں درسِ عبرت یہ ہے کہ جو لوگ دنیا کی زندگی میں پڑ کر غفلت کا شکار ہو چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو کبھی یاد نہیں کرتے اور نہ اس کے حکموں کی پروا کرتے ہیں۔ وہ اصل میں اعمال کی جزا سزا کے بھی منکر ہیں۔ ایسے لوگ کفار کی حالت سے عبرت حاصل کریں۔ اب موقع ہے کہ وہ اپنی اصلاح کر لیں۔ ورنہ مرنے کے بعد پھر حسرت ہی حسرت باقی رہ جائے گی اور اصلاح کا کوئی موقع نہیں دیا جائے گا۔

دعوتِ انقلاب

ان آیات میں قرآن کا انقلابی پہلو یہ ہے کہ وہ اپنی تعلیم سے انسانوں کی ذاتی اصلاح کرتا ہے۔ انہیں کفر و شرک سے نکال کر ایمان و توحید کی روشنی میں لاتا ہے۔ اس طرح مومنین کا ایک پاک معاشرہ وجود میں آ جاتا ہے۔ قرآن کی تعلیم اور مومنین کی تبلیغ و جہاد سے پھر دیگر انسانوں کی اصلاح ہوتی ہے اور ذاتی اصلاح سے آگے قومی اصلاح اور پھر بین الاقوامی اصلاح کا عمل شروع ہوتا ہے تاکہ انسانیت ہلاکت سے بچ جائے۔ مومنین کا مقصدِ حیات ہی یہ ہے کہ وہ قرآنی انقلاب کے علمبردار بنیں اور اپنے آپ کو اور دوسروں کو ہلاکت سے بچائیں۔ اسی میں ان کی عزت اور کامیابی ہے۔

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

پاکستان اسلام کے نام پر بنایا گیا ہے۔ کیا پاکستان کے مسلمان اپنی ذمہ داری محسوس کریں گے اور اس اصلاح و تبلیغ اور جہاد و انقلاب کے لیے پروگرام بنا کر اقدام کریں گے؟

وما علینا الا البلاغ

بقیہ: حضور اکرمؐ کی شخصی عظمت

انہوں نے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اچھے لفظوں سے یاد نہیں کیا۔ میں نے ان باتوں کا بغور مطالعہ کیا ہے اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) عظیم ہستی تھے اور صحیح معنوں میں انسانیت کے نجات دہندہ"

گاندھی جی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کہتے ہیں:-

"میں پورے وثوق اور یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اسلام نے بزورِ شمشیر سرفرازی اور سربلندی حاصل نہیں کی بلکہ اس کی بنیاد ہے۔ نبی کا خلوص خودی پر آپؐ کا غلبہ، وعدوں کا پاس، غلام اور دوست احباب سے یکساں محبت، آپؐ کی جرأت اور بے خوفی، اللہ اور خود پر یقین جیسے اوصاف۔ یہ کہنا غلط ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ اس کی فتوحات میں بھی اوصافِ حمیدہ شامل ہیں۔

از جناب مولانا محمد امام الدین صاحب

حقیقت الروح

روح کا سوال اور اس کا حل قدیم الایام سے انسانی دماغ میں خطور کر رہا ہے۔ مجموعی اور انفرادی دونوں حیثیت سے اس مسئلہ پر بحثیں ہوئیں لیکن اصل مسئلہ بجائے حل ہونے کے اور زیادہ پیچیدہ اور ناگوار نتائج کا باعث ہوا — زمانہ کے ہر دور میں جب کبھی اور جہاں کہیں اس پر گفتگو ہوئی افراط و تفریط کا ایک گرانبار انبار سے پُر نظر آتا ہے۔ حکماء کے مجالس علمی، اطباء کی دقت نظری، مذہبی پیشواؤں کے ارشادات شاہد حال ہیں کہ کسی کے ناخن تدبیر سے یہ گتھی سلجھنے والی نہیں۔ بہر حال میں بھی روح رکھتا ہوں۔ جو کچھ میری ناچیز سمجھ میں آیا اور جہاں تک میری نظر پہنچ سکی آپ حضرات کی اجازت سے حقیقتِ حال پر روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا۔

روح اور حکماء

حکمائے یونان وغیرہ کا علمی گروہ جن کی تحقیقاتِ علمی اظہر من الشمس ہے اس بات کا معترف ہے کہ روح ایک مجرد ہستی ہے وہی مدبر بدن ہے۔ لیکن حقیقت پرستی کا کوئی معقول جواب ان کی تحریل میں نہیں ہے۔

روح کے متعلق طبی تحقیقات

روح کے متعلق طبی تحقیقات کا نچوڑ یہ ہے کہ وہ بدن میں ایک بھاپ ہے جو اخلاط کی غذا سے پیدا ہوتی ہے جسے نسمہ یا روح حیوانی کے نام سے تعبیر کرتے ہیں اس کی حیات ریزہ نفخوں میں تدبیر غذا اور قوام بدن کی کل احساسات کی کلید بردار اسی کی رقت، سیلان اور صفائی پر قوائے بدن کی سلامتی کا انحصار ہے اور اس کا تکدر و غلظت ضعف اضمحلال کا موجب۔ یہ بھاپ جن اعضاء سے متعلق ہوتی ہے یا جہاں جہاں یہ بھاپ بنتی ہے اگر وہاں کوئی صدمہ یا دغدغہ پہنچے تو وہ بھاپ بگڑ جاتی ہے۔ اور اس کے تمام متعلقہ عضو بیکار یا پریشان ہو جاتے ہیں۔ اسی بھاپ کی موجودگی کا نام زندگی اور اس کی فنا موت ہے۔ اس بھاپ کے سوا روح کی اور کوئی حقیقت نہیں جس پر غور کرنے کی گنجایش ہو۔

طبی تحقیقات کی اس تفریط نے دنیا میں دہریت اور لامذہبیت کو بہت تقویت پہنچائی۔ اور روح کو دائمی لعنت کا گھونٹ پلا کر سچی راحت سے محروم کر دیا۔ اسی تحقیقات کے زعم باطل پر یورپ نے روح کی علیحدہ ہستی سے انکار کر دیا۔ اور مذہب کو نادانی کا ڈھکوسلا بتا کر اس سے سبکدوش ہو گیا۔

روح کا مذہبی دور

بابل، مصر، یونان، فارس اور ہندوستان جو مذاہب قدیم کے گہوارے ہیں ان کا مبنیٰ بھی روح ہے مگر اصل حقیقت کے عیاں کرنے سے سب کے سب مہر بلب ہیں۔ لیکن ہر مذہب نے روح کا علیحدہ وجود تسلیم کیا ہے۔

رُوح ۔ پیشوایانِ مذہب کی نظر میں!

آج سے کئی ہزار سال پہلے اسی سرزمین ہندوستان کے ہونہار مآل اندیش راج کنور کے دل میں اسی قسم کا خیال پیدا ہوا تھا۔ وہ ابھی ناز و نعم میں پرورش پا رہا تھا، دُکھ درد سے ناواقف تھا کہ ناگہاں ایک دن اُس کی حقیقت بین نظر ایک کوز پشت ضعیف پر پڑی جو ضعف پیری سے لکڑی ٹیک کر رہ نورد تھا۔ بوڑھے کی اس بے چارگی نے راج کنور کو تڑپا دیا۔ وہ بے قرار ہو کر اپنے رفیق سے اس نادیدنی درماندگی کا سبب دریافت کرتا ہے۔ رفیقِ راہ جواب دیتا ہے کہ یہ موجودہ زمانے کے انقلابات ہیں۔ یہ درماندہ ضعیف بھی کبھی جوشِ جوانی میں مست تھا۔ لیکن اب اس کے مغرور اعضا سست ہو گئے ہیں۔ اسی طرح آہستہ آہستہ کسی دن لب گور تک پہنچ کر ہمرنگ خاک ہو جائے گا۔ اس حیرت افزا جواب نے راج کنور کو اور بے تاب کر دیا۔ وہ پھر پریشان ہو کر سوال کرتا ہے کیا مجھ کو بھی اسی خطرناک منزل سے گزرنا پڑے گا؟ اس کو جواب دیا جاتا ہے کہ حالت کی تبدیلی سے کوئی متنفس محفوظ نہیں رہ سکتا۔ یہ سن کر راج کنور سراسیمہ ہو کر ہر شخص سے یہی سوال کرتا ہے اور اسی دُھن میں وہ راج پاٹ چھوڑ کر براگ لیتا ہے اور مدت العمر اسی لٹہ میں دیر و کنشت کی آستانہ بوسی کرنے کے بعد ایک غار میں مراقب ہوتا ہے۔ یہ مہاتما گوتم بودھ کا تاریخی واقعہ ہے جن کے اتباع کرنے والوں کی تعداد دنیا میں نصف ارب کے لگ بھگ ہے۔ مہاتما گوتم بودھ اپنی فطری قابلیت سے خواہ کسی درجہ پر پہنچے ہوں لیکن روح کی حقیقت کا کوئی تارا توڑ کر نہ لا سکے۔

سامی قوم اور روح

عبرانی انبیاء کے سلسلہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مقدس ذات روحانی اعتبار سے سب سے پیش پیش ہے۔ اناجیل مروجہ پر نظر ڈالیے تو ان کی پیدائش اور ہر فعل مافوق الفطرت نظر آئے گا وہ دنیا میں روحانی حکومت قائم کرتے ہیں۔ روحانیت کا درس دیتے ہیں۔ لیکن اصل روح کی حقیقت بیان کرنے کی بجائے روح کو اچھی و بُری دو قسموں میں تقسیم فرماتے ہیں۔ ان کے عہدِ مبارک میں روح کا اس قدر غلبہ ہے کہ وہ نوع انسان کو بے حد ستاتی ہیں۔ تمام بیماریوں کی جڑ پہلے ارواح خبیثہ ہیں۔ غرضیکہ روح کی حقیقت فہمی سے ہر زمانہ میں لاعلمی کا اظہار کیا گیا۔

یہ ضرور ہے کہ فلسفہ روح کے بیان سے دنیا میں یہ خیال پھیل گیا کہ روح ہر جگہ کارفرما اور قابل احترام ہستی ہے۔ اس احترام و عظمت نے انسانوں کو روح کا پرستار اور کہیں اوہام میں مبتلا کر دیا۔ جنتر منتر، جھوگ و لذت اسی غلط روحانی خیالات کے برگ و بار ہیں۔

روح اور قرآن

جب ظلمت کدہ دنیا میں آفتاب اسلام طلوع ہوا اور اس کی ضیاریز کرنیں سطح زمین پر چمکیں تو دور گذشتہ کا وہی پرانا ناقابل فہم سوال مشکوٰۃ نبوت کے سامنے پیش ہوا۔ چنانچہ قرآن کریم میں یہ تاریخی سوال اس طرح درج ہے ویسئلونک عن الروح اے گم گشتگان طریق ضلالت کے رہبر لوگ آپ سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں۔ قل الروح من امر ربی اُن سے کہہ دو کہ روح امرِ رب ہے۔

اس دو لفظی جواب نے گزشتہ صدیوں کے لاشۂ بے جان میں روح پھونک دی ہے ع

جو فلسفیوں سے حل نہ ہوا اور نکتہ وروں سے کھل نہ سکا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

(۱) روح کی حقیقت کیا ہے؟ (۲) روح خالق ہے یا مخلوق؟ (۳) روح حادث ہے یا قدیم؟ (۴) نسمہ کے علاوہ روح کی علیحدہ اور کوئی ہستی ہے یا نہیں؟

ان عقلی احتمالات کے جواب میں صرف قل الروح من امر ربی کہا گیا۔

دیکھنا یہ ہے کہ ان لفظوں میں سوال حل ہوا یا نہیں؟ پہلی صورت کو چھوڑ کر مابقی تمام

شکوں کا جواب انہی دو لفظوں میں موجود ہے۔ امر ربی سے معلوم ہوا کہ روح اشیائے ثابتہ میں سے ایک شے ہے۔ اس کا ایک مستقل بالذات وجود ہے۔ اسی کے پرتوِ وجود سے بازارِ ہستی کی رونق ہے وہ نہ ہو تو جہان محض تودۂ خاک ہے۔ بایں ہمہ وہ مطلق العنان اور قابو سے باہر نہیں بلکہ وہ بھی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے۔ اس کی ذات اور ذاتی صفتیں خود بخود نہیں بلکہ ایک قادر مطلق اور واہب الوجود علیم و قدیر ذات قدسی صفات کے اثر فعل کا نتیجہ ہے۔ امر ربی اس بات پر بھی دال ہے کہ روح کثیف چیز نہیں بلکہ وہ ایک لطیف جوہر ہے کیونکہ عالم میں دو قسم کی مخلوق پائی جاتی ہے (۱) عالم خلق (۲) عالم جوہر۔ عالم خلق مادی اجسام کو کہتے ہیں اور عالم امر لطیف اجسام اور جواہر کو کہتے ہیں۔ انہی جواہرات میں سے روح بھی ایک اعلیٰ جوہر ہے۔

منکرین روح کی کوتاہ نظر جو سطح جسم سے آگے نہیں بڑھ سکتی تھی امر ربی کی مہمیز ان کے لیے تازیانۂ عبرت ہے۔ اور بتایا کہ روح کی ایک زبردست اور پُرمعنی حقیقت ہے اس سے انکار جہل اور خود فراموشی ہے۔ امر ربی کا پاک ارشاد ہی ہے جس نے لامذہبیت کے تباہ کن خطرے سے انسان کو بچا لیا اور معلومات کے ایک بند دروازہ کو کھول دیا۔

منکرین نفس ناطقہ نے جس جہل نما علم پرست ہو کر روح کی حقیقت سے انکار کر دیا تھا انہیں پھر اپنی ضد پر نظر ثانی کرنی پڑی۔ یورپ کے جس علم جُو گروہ نے روح کی حقیقت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ انہیں کے اندر پھر روح کی تلاش شروع ہوئی اور موجودہ روحانی (اسپر یچول ازم) کا گروہ جستجو کے بعد اس نتیجہ پہ پہنچا۔ کہ روح کی حقیقت ایک علیحدہ اور زبردست ہستی ہے۔ اس کے محیر العقول کارنامے ناقابلِ انکار ہیں۔ گو اب تک روح کی حقیقت انہیں معلوم نہیں ہوئی تاہم دعوےٰ ہے کہ شاید مستقبل قریب میں اسے عریاں کرنے کا کوئی ذریعہ فراہم کر سکیں۔

امر ربی روحی تحقیق کے افراط و تفریط میں ایک خدا نما مرشد اور بت شکن مجاہد ہے۔ قل الروح من امر ربی سے ثابت ہوا کہ روح مخلوق اور حادث ہستی ہے۔ امر فعل کے معنی میں مستعمل ہوا وما امر فرعون برشید (فرعون کا فعل کچھ اچھا نہیں) اس استدلال کی قوی حجت ہے۔ روح کی قدامت یا حدوث کی ایک مستقل بحث ہے جو خود نہایت اہم اور غور طلب مسئلہ ہے تاہم اس کی مختصر تشریح آگے آتی ہے۔

روح کیا ہے؟

پھر ہم سے سوال کیا جاتا ہے کہ جب تک روح کے اوپر سے حقیقت کا پردہ چاک نہ کیا جائے اس کا وجود کیونکر تسلیم ہو سکتا ہے۔ یہ کوئی پیچیدہ اور ریا سوال نہیں۔ آؤ اس پر بھی غور کریں لیکن پہلے یہ طے ہو جانا چاہیے کہ انسان اپنی فطری استعداد اور قدرتی قابلیت سے اشیاء کا وجود اور خواص معلوم کر سکتا ہے یا حقیقت و وجود دونوں؟ اگر یہ درست ہے اور یقیناً درست ہے جیسا کہ گزشتہ بیان سے اچھی طرح واضح ہو گیا ہے کہ حضرت انسان کی فطرت میں درک ماہیت کی استعداد ہی نہیں تو حقیقت پرسی کا سوال مافوق الفطرت ہے۔ اب اشیاء مادی ہوں یا مجرّد حسی ہوں یا غیر حسی کسی چیز کی حقیقت معلوم کرنا فطرت انسانی کے دائرۂ امکان سے قطعاً خارج ہے۔ لیکن حقیقت فہمی سے انکار اور عجز سے اشیائے ثابتہ کا وجود اور ان کے افعال و اثرات کا معدوم ہونا لازم نہیں آتا۔ مثلاً ہم شیشے کے پہیے کے ذریعے سے بجلی نکالتے ہیں اور وہ نکلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ ٹھوس اجسام میں سرایت کرتی ہے۔ انسان کے بدن سے گزر جاتی ہے۔ یہ مشاہدات ہیں جن سے انکار نہیں ہو سکتا۔ لیکن آج تک کسی کو بھی بجلی کی حقیقت معلوم نہ ہو سکی کہ کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ بجلی کوئی چیز نہیں؟ اسی طرح آگ، ہوا اور پانی کو کیمیاوی طریق سے تحلیل کرو تو وہ ترکیبی صورت چھوڑ کر بسائط کی شکل میں تبدیل ہو جائیں گے۔ لیکن اس تحلیل سے چیز کی بام حقیقت پر پہنچنے کے لیے کوئی سیڑھی نہ بنا سکو گے۔

اسلام ایک زندہ اور عملی مذہب ہے۔ اس کے دربار میں کج بحثی کی گنجائش نہیں وہ صرف اشیائے ثابتہ کو واضح کر کے عمل کے لیے دعوت دیتا ہے جس تفریط میں پڑ کر ایک گروہ نے روح کے وجود سے انکار کر دیا تھا اور جزاء و سزائے اُخروی کو مستبعد سمجھتا تھا اُسی جماعت کے چند آدمی دربار پناہی (روحی فداہ) میں حاضر ہو کر پوچھتے ہیں روح کیا ہے؟

خلاق عالم کو معلوم ہے کہ روح کی حقیقت فہمی کی استعداد اس نے فطرت انسانی میں نہیں رکھی اور اس بھول بھلیاں میں پھنس کر اس کے بندے گمراہ ہو چکے ہیں۔ اس لیے جواب دیا گیا وما اوتیتم من علم الا قلیلاً مستفسرین سے کہا گیا کہ تمہیں علم کا بہت تھوڑا حصہ عطا ہوا۔ روح کی حقیقت سمجھنے سے تمہاری فہم قاصر ہے۔ اس لیے حقیقت جوئی سے باز آؤ۔ ہاں وہ مخلوق میں سے ایک ہے۔

قرآن پاک کے ان الفاظ کو میزان عقل پر رکھ کر تولو تو تمہیں ان کا وزن معلوم ہوگا۔

حاصل کلام یہ کہ روح ایک جوہر بسیط شے ہے جو اپنے اندر ادراک و شعور کی تابناک شعاعیں مادی جسم کی چادر سے چھن چھن کر کائنات عالم کے خاکی ذروں پر چمکتی ہیں اور ادراک خیال کا بادپیما مرکب اس کے دست و بازو ہیں وہ اپنی انانیت پر نہیں بلکہ ایک نادیدہ جمال یار کا مشتاق زیارت اور شیفتہ دیدار ہے۔

بقیہ: حضرت مولانا نانوتوی رح

دل سخت ہو گئے ہیں۔ عورتوں میں بھی دینی ذوق ختم ہوتا جا رہا ہے۔ مگر اس کی کسی کو فکر نہیں۔ اب تو ذرا فیشن ایبل بیوی ہونی چاہیے اور بس۔ ہمارے نوجوان فضلا اب ایسی تربیت کہاں کرتے ہیں۔ اب تو یہ بھی دنیا کے قصے سنا کرتے ہیں۔ جس کے باعث ذوق عبادت بڑھنے کی بجائے کم ہوتے جا رہے ہیں۔ الا ماشاءاللہ۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالےٰ نے بڑا باحیا بنایا تھا۔ تہجد کے زندگی بھر پابند رہے۔ جب شادی ہوئی تو بھی اس میں فرق نہ آنے پایا۔ مگر حیا کا یہ عالم تھا کہ:

"حضرت کو نہانے کی شب میں ضرورت ہوتی تو مسجد میں پانی گرم ہوتا مگر حیا کی وجہ سے ہمت نہیں کرتے کہ کسی کو خبر ہو جائے۔ شرم کے سبب تالاب میں جا کر نہاتے۔" (ایضاً صفحہ ۵۲۳)

الحیاء شعبۃ من الایمان کی عملی تفسیر آپ نے دیکھ لی۔ اب تو مسلمان بلکہ نوجوانوں کا طبقہ اپنی مجلسوں میں ایسی ایسی باتیں کرتے نہیں شرماتے جن کا افشا پسندیدہ نہیں ہے بلکہ اس سے روکا گیا ہے۔ دنیا کہاں سے کہاں پہنچی۔ کاش لوگ سوچتے اور کوئی بات سمجھ میں آتی تو عمل کرتے۔ دار العلوم سے آپ کا تعلق ہوا تو احتیاط کا یہ عالم تھا کہ سوانح مخطوطہ کے مصنف لکھتے ہیں اور اپنی آنکھ دیکھی چیز لکھتے ہیں:۔

"یہ سب کو معلوم ہے کہ مدرسہ اسلامی دیوبند آپ ہی کا ساختہ پرداختہ ہے اور کیا کچھ اس کا کارخانہ کہ چھوٹی سی سرکار۔ مگر ہرگز کبھی اس کی کسی چیز سے نفع نہیں اٹھایا۔" (سوانح قاسمی جلد اول صفحہ ۵۲۳)

کیا اب بھی یہ احتیاط ہمارے دینی مدارس کے ارباب فضل و کمال میں باقی ہے۔ اب تو ہر جگہ مدرسے والے اس کو اپنی جائداد تصور کرنے لگے ہیں۔ اگر نفع نہ ہو تو پھر ان کو کوئی مزا ہی نہیں آتا۔ بیسیوں بہانوں سے استفادہ کرتے ہیں۔ یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ سب ایسے ہی ہیں بلکہ کہنا یہ ہے کہ ہمارے اس زمانے میں اب اس طرح احتیاط کا رواج باقی نہیں رہا

بساطِ عالم

نثار احمد ذبیوی

جنوبی لبنان پر اسرائیل کی وحشیانہ بمباری

صیہونی توسیع پسند پورے جنوبی لبنان پر قبضے کا خواب دیکھ رہے ہیں

فلسطینی حریت پسند اب کیا کریں گے؟

مشرق وسطیٰ میں عربوں کے خلاف اسرائیل کی جو ظالمانہ برتری حاصل ہو گئی ہے اس کے مظاہر برابر دیکھنے میں آتے رہتے ہیں۔ پچھلے دنوں جنوبی لبنان پر اسرائیلی فضائیہ اور توپ خانے کے حملے نے جو قیامت برپا کی ہے اس پر ساری دنیا میں اسرائیل کو لعنت ملامت کی جا رہی ہے۔ لیکن بے بس دنیا کے پاس اسرائیل کی من مانی فوجی کارروائیوں کا کوئی موثر جواب نہیں ہے۔ جنوبی لبنان کے پُرامن کسانوں پر اسرائیل کی بے رحمانہ بمباری سے اٹھائیس شہری ہلاک اور ستر کے قریب زخمی ہو گئے یہ حملہ حسبیہ اور دیر الشعیر نامی دو گاؤں پر کیا گیا۔ مقصد یہ تھا کہ ان علاقوں میں فلسطینی حریت پسندوں کے کیمپ تباہ کیے جائیں۔ لیکن ظالمانہ حملے میں فدائین کے ساتھ بہت سے پُرامن شہری ہلاک ہو گئے۔ دیر الشعیر میں تین خاندانوں کے تمام بچے ہلاک ہو گئے اور فٹ بال کے تین میدانوں کے برابر علاقے میں سب کچھ تباہ و برباد ہو گیا۔ اسرائیل کے ڈپٹی وزیر اعظم نے بے شرمی کے ساتھ حسبیہ پر حملے کو بمبار پائلٹ کی غلطی مان لیا۔ لیکن دیر الشعیر پر بم برسانے کی کوئی وجہ نہیں بتائی گئی۔ انتہائی حیرت کی بات یہ ہے کہ اسرائیل کا پریس نائب وزیر اعظم کے اعتراف گناہ پر تنقید کر رہا ہے۔

جنوبی لبنان کا علاقہ جسے ارکوب بھی کہتے ہیں، سرسبز و شاداب وادیوں اور خوبصورت پہاڑیوں سے عبارت ہے اس کے درمیان پہاڑی دریا حسبانی بہتا ہے جس کے دونوں کناروں پر چھوٹے چھوٹے بہت سے گاؤں آباد ہیں ان دیہات میں بیشتر دروزی کسان اور کچھ دوسرے فرقوں کے لوگ رہتے ہیں۔ یہ سب لوگ دیہی کاموں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسرائیل کی غیر انسانی بمباریوں کی وجہ سے اب یہ فدائین کو اپنے گاؤں میں آنے بھی نہیں دیتے اس کے باوجود یہودی فضائیہ نے انہیں نشانہ بنایا اور خصوصاً حسبیہ پر بمباری کے لیے ایک جواز پیش کر کے ثابت کر دیا کہ اس کا مقصد شہری آبادیوں پر بمباری کر کے لبنان کی حکومت کو فدائین کے خلاف اقدام پر مجبور کرنا تھا حسبیہ کی تمام آبادی اسرائیل کے نائب وزیر اعظم کے پیش کردہ جواز کو بے سروپا تصور کرتی ہے وہاں کے تمام لوگوں کا بیان یہ ہے کہ اگر صرف ایک یا دو بم گرائے جاتے تو پائلٹ کی غلطی تسلیم کی جا سکتی تھی لیکن سات آٹھ بم محض غلطی سے نہیں گر سکتے۔ اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ جان بوجھ کر کیا گیا تھا۔

جنوبی لبنان کے پُرامن اور بے گناہ شہریوں کے خلاف اسرائیل کی غیر انسانی کارروائی پورے چار دن جاری رہی اس کارروائی کا سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ فدائین نے جنوبی لبنان میں پناہ لے رکھی ہے۔ اور لبنان کی حکومت ان کے مستقل قیام پر کوئی اعتراض نہیں کرتی جنوبی لبنان سے اپنی سرگرمیاں جاری رکھنے والے فدائین نے پچھلے دنوں ایک اسرائیلی بس پر راکٹوں سے حملہ کیا تھا۔ اس حملے میں کوئی خاص جانی نقصان نہیں ہوا لیکن اس کا انتقام لینے کے لیے اسرائیل نے پُرامن شہریوں کے ہرے بھرے علاقے میں قیامت برپا کر دی۔ یہ لوگ نہ خود گوریلے تھے اور نہ گوریلوں کے ساتھی، اس کے باوجود انہیں سخت سزا ملی حسبیہ میں ان کی بمباری سے تیس مکانات اور دکانیں تباہ ہو گئیں۔ اور سترہ کاریں جل گئیں۔ دیر الشعیر کا چھوٹا سا گاؤں جس کی کل آبادی صرف تین سو نفوس پر مشتمل ہے۔ زیادہ تباہ کن بمباری کا ہدف بنا اس آبادی کے متاثرہ لوگ رو رو کر بیان کرتے ہیں کہ انہیں خطرے کا احساس تھا لہٰذا انہوں نے فدائین کا سخت مقابلہ کیا تھا۔ اور انہیں گاؤں میں گھسنے نہ دیا تھا۔ اس کے باوجود انہیں شدید سزا ملی۔ اب اس گاؤں کے کئی گھر ملبے میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ اور گھروں کا کچھ لٹا ہوا اور کچھ جلا ہوا سامان ابھی تک یہ سچائی بیان کر رہا ہے کہ بے گناہ شہریوں کو بلا امتیاز بموں کا نشانہ بنایا گیا ہے۔

اسرائیل کی چار روزہ ظالمانہ کارروائی کے بعد ہمیشہ کی طرح سلامتی کونسل کا اجلاس منعقد ہوا جس میں ہمیشہ کی طرح اسرائیل کی مذمت کی گئی۔ اور جیسے ہمیشہ کی طرح اسرائیل نے غیر متوازن اور جانبدارانہ قرار دے کر نظر انداز کر دیا۔ یہ قرارداد مذمت صفر کے مقابلہ میں تیرہ ووٹوں سے منظور کی گئی لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ کھلی ہوئی یہودی جارحیت کے باوجود امریکہ قرارداد کے حق میں ووٹ دینے کی جرأت نہ کر سکا، غالباً نومبر ۷۲ء کے انتخابات میں یہودیوں کی حمایت حاصل کرنے کے لیے نکسن کی حکومت نے قرارداد پر ووٹ دینے سے الگ رہنے کا فیصلہ کیا۔ قرارداد میں اسرائیل سے جہاں یہ کہا گیا تھا کہ وہ آئندہ اصلاح کے لیے رحمانہ اقدامات سے گریز کرے وہیں اس پر یہ زور بھی دیا گیا کہ ۲۱ر جون کو اس نے لبنان اور شام کے جو فوجی افسر گرفتار کیے ہیں انہیں رہا کیا جائے ان گرفتار شدہ افسران کا قصہ بھی نہایت حیرت انگیز ہے۔ ۲۱ر جون کو ایک فوجی کارروائی کے دوران شام کے پانچ اعلیٰ فوجی افسر گرفتار کر لیے تھے اب اسرائیلیوں کا اصرار یہ ہے کہ ان فوجی افسران کی رہائی اس وقت عمل میں آئے گی جب بدلے میں شام تین یہودی پائلٹوں کو اور مصر دس دوسرے گرفتار یہودیوں کو رہا کرنے پر تیار ہو۔ شام کی حکومت اپنے فوجی افسران کی رہائی کے لیے یہودی ہوا بازوں کو رہا کرنے پر تیار ہے لیکن متحدہ عرب وفاق میں اس کا ساتھی مصر اس کے لیے تیار نہیں ہے اس طرح سے یہ مسئلہ شام اور مصر کے درمیان ہے اور ان دونوں میں کچھ اور ہی بحث و مباحثہ ہو رہا ہے مصر خود ایک شامی افسر کی تلاش میں ہے اس افسر کے بارے میں مصر کا الزام یہ ہے کہ وہ مصر میں جاسوسی کے ایک گروہ کا سرغنہ ہے شام نہ اس الزام کو درست تسلیم کرتا ہے اور نہ مذکورہ فوجی افسر کو مصر کے حوالے کرنے پر تیار ہے۔

اسرائیلی چیف آف سٹاف جنرل ڈیوڈ ایلازار نے جنوبی لبنان پر وحشیانہ بمباری کے بعد اس سلسلہ میں بہت صاف بات کرنے کی کوشش کی ہے انہوں نے کہا ہے کہ اگر لبنان فدائین کو مکمل طور پر کچل دے یا اپنے ملک سے باہر نکال دے تو حملوں کا سلسلہ بند ہو سکتا ہے ان کا بیان ہے کہ اگر لبنان اور اسرائیل کی سرحد پر یا محقق اس سمت میں فدائین کوئی کارروائی کرتے ہیں تو اس کی تمام ذمہ داری لبنان پر ہو گی۔ ادھر لبنان کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ فدائین کو مکمل طور پر کچلنے کی کوئی کارروائی نہیں کر سکتا۔ لبنانی وزیر اعظم صائب سلام کو اندیشہ ہے کہ ایسا کیا گیا تو فدائین بیروت میں تباہی مچا دیں گے۔ اس طرح سیاحت کا وہ کاروبار ٹھپ ہو جائے گا جو لبنان کی سب سے بڑی تجارت اور زرمبادلہ کمانے کا ذریعہ ہے۔ پچھلے دنوں وزیر اعظم نے فدائین کی تنظیم "الفتح" کے سربراہ یاسر عرفات سے طویل مذاکرات کیے ہیں اور اس کے بعد ایک معاہدہ بھی ہوا ہے لیکن سب جانتے ہیں کہ اوّل تو تمام گوریلے "الفتح" سے متعلق نہیں ہیں اور دوسرے ماضی میں ایسے معاہدوں کو توڑنا بہت معمولی بات بنتی رہی ہے۔

جنرل ڈیوڈ ایلازار نے لبنانیوں کو مندرجہ بالا حکم دینے کے علاوہ یہ انکشاف بھی کیا ہے کہ لبنان اور شام مل کر اسرائیل پر حملے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ اس سراسر بے بنیاد اور کسی حد تک احمقانہ الزام پر دنیا کے متعدد یہود نواز جرائد نے بھی سخت تنقید کی ہے لیکن جنرل موصوف اپنی بات پر اڑے ہوئے ہیں ان کا کہنا ہے کہ ۲۱ر جون کو جو شامی افسر گرفتار کیے گئے ہیں انہوں نے اس منصوبے کا انکشاف کیا ہے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس جھوٹے منصوبے کی آڑ لے کر اسرائیل لبنان اور شام کے درمیان حائل ہونے کے لیے مکمل جنوبی لبنان پر قبضہ کرنے کی تاک میں ہے مشہور

برطانوی ہفت روزہ "اکونومسٹ" نے اسرائیل کے اس بے سروپا الزام پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اسرائیل ایک بیّن حقیقت کو جھٹلانے کی کوشش کر رہا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ لبنان یہودیوں اور عربوں کے جھگڑے میں خود کو براہ راست ایک فریق قرار نہیں دیتا اس کا اصرار ہے کہ اسے عربوں کا حامی ملک سمجھا جائے اسے اچھی طرح معلوم ہے کہ اسرائیل نے اپنی فوجی طاقت بہت بڑھالی ہے اور دوسری طرف شامی فوج کی اثر انگیزی مشکوک ہے اسکے علاوہ لبنان اپنی علاقائی سالمیت کو بہرحال باقی رکھنے کے لیے ایک طرح کے جنون میں مبتلا ہے۔ اور شامی فوج سمیت کسی بھی غیر ملکی فوج کو اپنی سرزمین میں برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ اکونومسٹ نے لکھا ہے کہ جب حقائق یہ ہیں تو لبنان شام کے ساتھ مشترکہ کارروائی کا منصوبہ کس طرح بنا سکتا ہے۔

جنوبی لبنان پر اسرائیلی حملے سے متعلق ایک سب سے زیادہ حیرت انگیز روداد برطانوی اخبار "ڈیلی ٹیلیگراف" نے شائع کی ہے اخبار نے لکھا ہے کہ بہت دنوں سے گوریلوں کو کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی ہے اور اس کے ساتھ ہی ان کے ساتھ ہر متعلقہ عرب ملک میں سخت سلوک ہو رہا ہے لہذا خیال ہے کہ اب ان کی تنظیموں کے خاتمے کا وقت قریب آگیا ہے۔ اخبار نے اسرائیل کی کامیابی پر خوش ہوتے ہوئے لکھا ہے کہ فلسطینی گوریلوں نے جنوبی لبنان کو خالی کرنا شروع کر دیا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حالیہ اسرائیلی حملہ ان کے لیے آخری ضرب کا حکم رکھتا ہے اس کے ساتھ ہی مصر، لیبیا اور شام میں ان پر سخت نکتہ چینی کی جا رہی ہے۔ لبنان کے صدر جناب فرنجی نے انہیں حکم دیا ہے کہ اگر لبنان میں رہنا ہے تو اس کی واحد صورت یہ ہے کہ اس جانب سے اسرائیل کے خلاف کارروائیاں بند کی جائیں اس طرح یہ گوریلے اردن میں کچلے جا چکے ہیں، شام میں ان پر سخت کنٹرول کیا جا رہا ہے اور مصر میں انہیں بے اثر بنایا جا چکا ہے۔ اب ان کے لیے صرف ایک راستہ ہے اور وہ یہ کہ اسرائیل کے اندر رہ کر ہی اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں لیکن اس میں بہت ہی کم کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ ان کی آخری پناہ گاہیں جنوبی لبنان میں تھیں لیکن تیس ساتھیوں کی ہلاکت کے بعد ان کی کمر ٹوٹ گئی ہے اگر "ڈیلی ٹیلیگراف" کی اس رپورٹ پر یقین کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مستقبل میں اسرائیلی علاقے سے ان کی کسی سرگرمی کی اطلاع نہیں آئے گی۔ اور اس کا امکان بھی بہت ہی کم ہے اگر وہ کسی علاقے میں اپنے قدم نہ جما سکے تو کم از کم یہ ضرور ہوگا کہ وہ دنیا میں بکھر جائیں گے، اور دنیا کے ہر گوشے سے اسرائیل کے خلاف اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں گے۔

بقیہ: اجتماع جمعۃ المبارک

ایسی ڈگر پر چل کر اللہ تعالیٰ کو راضی نہیں کیا جا سکتا۔

داعیانِ حق ان آیات سے اس بات کی رہنمائی حاصل کرتے ہیں کہ جب کسی کو سچائی اور حق کی تبلیغ کی جائے تو خود بھی اس سچائی اور حق بات کو اپنانا چاہیئے۔ جب ایک چیز کے متعلق یقین ہے کہ یہ صحیح اور فائدہ مند ہے تو دوسروں کو اس کے لینے کی ترغیب دینا اور خود محروم رہنا کہاں کی دانشمندی ہے۔

جناب رسالت مآب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حق بات نہ کہنے والے کے متعلق فرمایا کہ یہ گونگا شیطان ہے یعنی جو شخص سچی بات نہیں کہتا کتمانِ حق کرتا ہے۔ وہ ایسا شیطان ہے جو بولتا ہی نہیں۔ مبلغین اسلام کو حکم دیا گیا کہ وہ بے باکی وحق گوئی کی راہ اختیار کریں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جابر و ظالم بادشاہ کے روبرو حق بات کہنا افضل جہاد ہے۔ چنانچہ یہ فریضہ علماء ربانی انجام دیتے چلے آتے ہیں انھوں نے ہر دور میں ہر جگہ ہر موقع پر برائی کو برائی اور نیکی کو نیکی کہا ہے انھوں نے اپنی رشک آمیز جرأت، بہادری حق گوئی، بے باکی اور خدمت دین و ملت سے ثابت کیا فریضہ انبیاء و مرسلین امر بالمعروف نہی عن المنکر قیامت تک ادا کیا جاتا رہے گا۔ اور وہ انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں، تاریخ علماء حق کی جرأتوں اور قربانیوں کی معترف ہے۔ امام احمد بن حنبل، حضرت امام اعظم، شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز، شہدائے بالاکوٹ، حضرت شیخ الہند، مولانا آزاد، حضرت شیخ مدنی، مولانا سندھی، حضرت امیر شریعت، اور حضرت شیخ التفسیر رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ایمان افروز زندگیاں اسی مشن کے لیے وقف رہیں۔

آج جن لوگوں نے دین کو ذریعہ معاش بنا لیا ہے وہ اسلام اور ملتِ اسلامیہ کے دشمن ہیں وہ دین کے بدلے دنیا سمیٹ رہے ہیں آخرت میں ان کے لیے کچھ نہیں ہے ایسے لوگ دوسروں کو کبھی راہ ہدایت پہ نہیں لا سکتے وہ نہ خود نجات پائیں گے نہ ان کی پیروی کرنے والے۔ وہ اہل حق جنہوں نے موجودہ پرفتن دور میں بھی حق کا دامن نہیں چھوڑا اور انھوں نے دین کو رضائے الٰہی کے لیے اختیار کر رکھا ہے وہ اور ان کے پیرو اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے یقیناً نجات پا جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اہل حق کا ساتھ دینے کی توفیق بخشے اور نام نہاد مذہبی لیڈروں کے شر سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

بقیہ: شذرات

سرگرمیوں پر پابندی عاید کی جائے اور انہیں تمام شعبوں میں اپنا علیحدہ تشخص قائم کرنے کی اجازت دی جائے۔ یہ اسمبلی آزاد کشمیر اسمبلی کی اس قرارداد کی تحسین اور تائید کرتی ہے جس میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے اور ان کی رجسٹریشن کرانے پر زور دیا گیا ہے۔ نیز آئندہ کے لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کا دعوٰے نبوت کرنے یا ایسے کسی مدعی کی پیروی کرنے والوں کے ساتھ مرتد کا سلوک کیا جائے۔"

قومی اسمبلی کے سپیکر کی طرف سے ڈپٹی سیکرٹری نے ۲۴ مئی کو تحریری جواب میں یہ کہتے ہوئے اس نوٹس کو مسترد کر دیا کہ ایسی کوئی قرارداد اسمبلی کے قواعد اور طریق کار پر پوری نہیں اترتی اس لیے اسے زیر بحث نہیں لایا جا سکتا۔

اس خبر کی اشاعت ہی کافی ہے۔ قارئین خود ہی اندازہ فرمائیں کہ قادیانیوں کا اثر و نفوذ کس قدر ہے۔

ماجد الحسینی
۳۰ مئی ۱۹۷۳ء

بقیہ: حق شناسی

"دو معلّق اناس" آج جب میں اس مضمون کا خلاصہ ترجمہ کر رہا تھا تو مجھے ۱۹۰۸ء کی مطبوعہ بائیبل میں لوقا ۲۴ کو دیکھنے کی ضرورت پڑی تو اس میں مردوں کا ذکر موجود نہ تھا۔ خیال آیا کہ شاید عربی انجیل میں زیادتی ہو اس لیے انگریزی انجیل کھولی تو وہاں پہ لوقا ۲۴ میں یہ عبارت موجود تھی۔ "AND. CERTAIN-OTHERS-WITH THEM" پھر عبرانی بائیبل دیکھی تو وہاں بھی عورتوں کے ساتھ دوسرے مردوں کا ذکر موجود پایا۔ "J77NX - 777Z.77 9ZTT"

غرض سوائے اردو بائیبل کے انگریزی، عربی اور عبرانی بائیبل میں یہ ذکر موجود ہے کہ ان گلیلی عورتوں کے ہمراہ دوسرے لوگ بھی صبح قبر پر گئے تھے اردو ترجمہ کرنے والے پادریوں کی خیانت پر افسوس ہے۔

خواتین اسلام

سعید بن المسیّب رحمہ اللہ کی صاحبزادی کی شادی

سعید بن مسیب جلیل القدر امام ابو محمد بن حزن قریشی مخزومی طبقۂ تابعین کے امام —— مسیب ان کے باپ اور حزن ان کے دادا، دونوں صحابی ہیں۔ فتح مکہ کے دن دونوں مسلمان ہوئے۔ اسلام میں اس منفرد شخصیت کے مالک امام کے فضائل و کمالات کی فہرست بہت طویل و عریض اور بڑی شاندار ہے۔ محترم قارئین کے سامنے ہم یہاں صرف ایک شاندار اور سبق آموز کارنامہ یعنی خود ان کی اپنی بیٹی کے نکاح اور رخصتی کا واقعہ پیش کرتے ہیں:

ان کے بیٹے یحییٰ بن سعید نقل کرتے ہیں —— امام سعید بن المسیب کی مجلس درس کا حاضر باش ایک شخص تھا جس کا نام عبداللہ بن ابی وداعہ تھا۔ وہ چند روز ان کے درس سے غیر حاضر رہا تو امام سعید بن المسیب نے (طلباء سے) اس کا حال دریافت کیا تو اس کو بتایا گیا کہ امام موصوف نے تمہارا حال (اور غیر حاضری کا سبب) دریافت فرمایا تھا۔ تو (یہ سن کر) وہ شخص امام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سلام عرض کیا اور بیٹھ گیا۔ تو امام موصوف نے اس سے دریافت فرمایا۔ تم اتنے دن سے کہاں غائب تھے؟ اس نے عرض کیا۔ میری بیوی بیمار تھی میں اس کی تیمارداری میں لگا رہا پھر (اسی بیماری میں) اس کا انتقال ہو گیا۔ تو اس کی تجہیز و تکفین میں مصروف رہا (اور درس میں حاضر نہ ہو سکا) امام نے فرمایا۔ اللہ کے بندے! تم نے ہمیں کیوں نہیں بتلایا کہ ہم اس کی مزاج پرسی کرتے یا وفات کی اطلاع دیتے تو ہم اس کے جنازے میں شرکت کرتے۔ اس کے بعد امام موصوف نے اسے صبر و سکون کی تلقین فرمائی اور اس کے اور مرحومہ دونوں کے لیے دعا فرمائی۔

اس کے بعد فرمایا "اے عبداللہ! تم شادی ضرور کر لو۔ ایسا نہ ہو کہ تم (مرنے کے بعد) اللہ جل جلالہٗ کے حضور میں غیر شادی شدہ پیش ہو"۔

میں نے عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت فرمائیں۔ مجھ جیسے (مفلس و قلاش) کو اپنی بیٹی کون دے گا؟ خدا کی قسم میرے پاس تو چار درہم (ایک روپیہ) کے علاوہ کچھ بھی نہیں تو امام صاحب نے فرمایا —— سبحان اللہ! کیا ایک مسلمان چار درہم خرچ کر کے اپنی پاک دامنی کا تحفظ یعنی شادی نہیں کر سکتا؟ اے عبداللہ! میں اپنی بیٹی کی شادی (چار درہم پر) تمہارے ساتھ کرنے کے لیے تیار ہوں۔ اگر تم پسند کرو۔

اس پر میں ان کے احترام اور جلالت قدر کی بنا پر شرم کے مارے چپ ہو گیا۔ تو فرمایا کیا بات ہے؟ تم چپ کیوں ہو گئے؟ کیا تمہیں ہماری پیشکش قبول نہیں۔

میں نے عرض کیا۔ اللہ جل شانہٗ آپ پر بہت بہت رحمت فرمائیں۔ میں آپ کا دامن عاطفت چھوڑ کر کہاں جا سکتا ہوں؟ خدا کی قسم مجھے یقین کامل ہے کہ آپ چاہیں تو چار درہم نہیں چار ہزار درہم پر اپنی دختر نیک اختر کی شادی کر سکتے ہیں فرمایا اٹھو! اے عبداللہ! قبیلہ انصار کے چند معززین کو بلا لاؤ —— میں اٹھا اور انصار کے معززین میں سے ایک گروہ کو بلا لایا تو امام موصوف نے ان کو گواہ بنا کر چار درہم مہر پر اپنی دختر فرخندہ اختر کا نکاح میرے ساتھ کر دیا۔ اور تمام حاضرین اپنی اپنی جگہ پر چلے گئے۔

عبداللہ کہتے ہیں کہ میں عشاء کی نماز پڑھ کر اپنے گھر پہنچا ہی تھا کہ اتنے میں دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آئی۔ میں نے اندر ہی سے دریافت کیا۔ کون صاحب ہیں؟ جواب آیا —— سعید ——

عبداللہ کہتے ہیں۔ خدا کی قسم امام سعید بن المسیب کے علاوہ مدینہ کے ہر سعید نامی شخص کی طرف میرا خیال گیا (مگر امام کی طرف مطلق خیال نہیں گیا) اس لیے کہ امام سعید بن المسیب کو تو آج تک کسی نے مسجد جانے یا جنازے کے ساتھ قبرستان جانے کے علاوہ کبھی گھر سے نکلتے ہی نہیں دیکھا تھا تو میں نے پھر پوچھا۔ کون سعید؟ جواب آیا سعید بن المسیب۔ یہ سن کر میرے بدن پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اور فوراً مجھے خیال آیا کہ شاید شیخ (کی رائے بدل گئی ہے) اور عقد نکاح فسخ کرنے کے لیے میرے پاس اس وقت تشریف لائے ہیں۔ اس لیے میں ڈھیلے ڈھیلے قدموں کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھا اور دروازہ کھولا تو دیکھتا کیا ہوں کہ ایک برقعہ پوش دوشیزہ ہیں باربرداری کے جانوروں پر سامان خانہ داری بندھا ہوا ہے اور ایک خوبصورت کنیز ہے تو امام موصوف نے سلام کیا اور پھر فرمایا —— لو عبداللہ! یہ تمہاری بیوی ہے —— تو میں نے شرم سے پسینہ پسینہ ہو کر عرض کیا۔ اللہ جل شانہٗ آپ پر رحم فرمائیں۔ میرا تو ارادہ تھا کہ یہ (رخصتی) چند روز بعد ہو۔ فرمایا کیوں؟ کیا تم نے بتلایا نہیں تھا کہ میرے پاس چار درہم ہیں؟ میں نے عرض کیا یہ تو صحیح ہے چار درہم تو میرے پاس ہیں، لیکن میری خواہش یہی تھی کہ یہ رخصتی چند روز بعد ہوتی۔ فرمایا۔ یہ تمہاری بیوی تو بن چکی۔ اب میں نے گوارا نہ کیا کہ بیوی کے ہوتے تم ایک رات بھی بغیر بیوی بسر کرو اور اس کی مسئولیت اللہ تعالیٰ کی جانب سے مجھ پر عائد ہو۔ یہ تمہاری بیوی ہے۔ یہ تمہارا (جہیز کا) سامان ہے اور یہ کنیز تمہاری خادمہ ہے۔ اس کے پاس ایک ہزار درہم تمہارے خرچ کے لیے ہیں۔ لو یہ سنبھالو اے عبداللہ! خدا کی قسم تم اس (میری بیٹی) کو بڑا ہی سنجیدہ [illegible] کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عارف و عامل پاؤ گے۔ اس لیے اس کے ساتھ سلوک کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا اور دیکھو اگر امور خانہ داری میں اس سے کوئی ناپسندیدہ یا ناگوار بات سرزد ہو تو اس [illegible] سے تعلق (یعنی میری بیٹی ہونا) تمہارے لیے اس کی اصلاح و تنبیہ کرنے سے ہرگز مانع نہ ہونا چاہیے۔ یہ نصیحت فرمانے کے بعد وہ اپنی لخت جگر کو میرے سپرد کر کے تشریف لے گئے۔

عبداللہ کہتے ہیں۔ بخدا میں نے اس سے بڑھ کر کتاب اللہ کی قاری و حافظ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عالم و محدث اور اللہ تعالیٰ سے اس سے زیادہ ڈرنے والی کوئی عورت آج تک نہیں دیکھی۔ بخدا بعض ایسے پیچیدہ اور مشکل علمی مسائل جن کے حل کرنے سے بڑے بڑے علماء عاجز رہے ہیں۔ میں نے امام سعید بن المسیب کی صاحبزادی سے دریافت کیے ہیں اور ان کا تشفی بخش حل اور علم ان کے پاس موجود پایا ہے۔

روایت ہے کہ شادی کے بعد ایک دن [illegible] عبداللہ کہیں جانے لگے تو ان کی بیوی نے دریافت کیا۔ آپ کہاں جا رہے ہیں؟ تو اس پر عبداللہ نے کہا آپ کے والد امام سعید بن المسیب کے حلقہ درس میں جاتا ہوں۔ تو کہنے لگیں بیٹھ جائیے میں خود تمہیں سعید بن المسیب کا درس دیتی ہوں [illegible]

یہی ہیں وہ اخلاق فاضلہ اور علمی کمالات [illegible]

امام سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ چودہ سو سال گزر جانے کے باوجود زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے۔ (حیات کراچی)

بقیہ:- ارشاداتِ نبوی

پوری کریں مظلوم کی مدد کریں، دعوت قبول کریں اور ہر مسلمان کو سلام کہیں۔

اور جن سات باتوں سے منع فرمایا۔ وہ یہ ہیں کہ سونے کی انگوٹھی استعمال کرنے سے، چاندی کے برتن میں پینے سے، سرخ ریشمی زین پوش استعمال کرنے سے کسی کو کھوٹا سکہ دینے سے، استبرق اور دیباج و دیبا کے کپڑے استعمال کرنے سے۔

میں نے اور مخرمہ عبدی نے ہجر ایک خاص قسم کا کپڑا خریدا اور مکہ میں لائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم سے چند پاجاموں کے لیے کپڑے کا مول تول کیا ہم نے تول کے حساب سے اس کا سودا کرلیا۔ جو شخص کپڑا تول رہا تھا حضور نے اس سے فرمایا ذرا پلڑا جھکا کر تولو۔ (یعنی کچھ زیادہ ہی کپڑا تولا کرو)۔